8:29
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

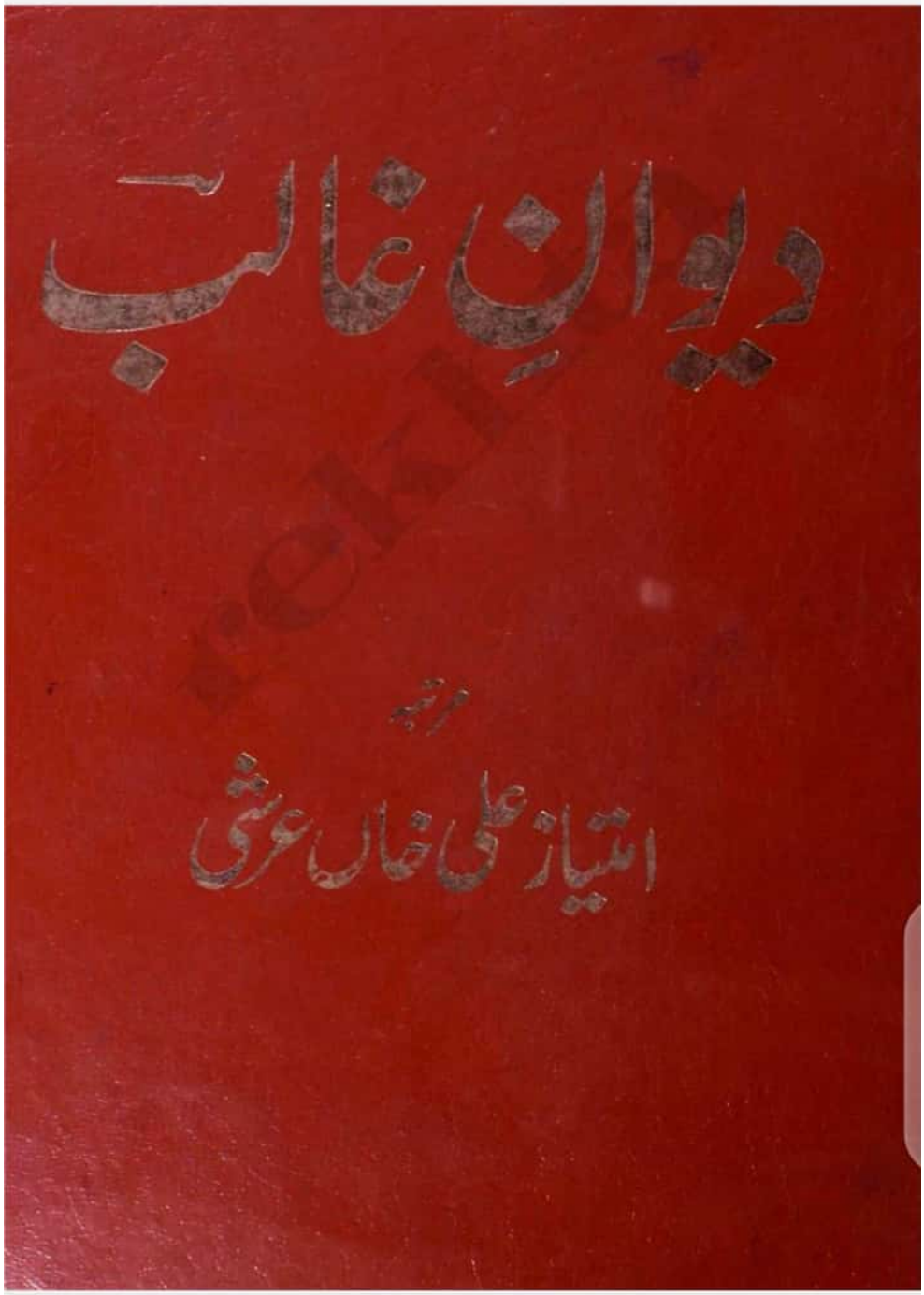

Scanned with CamScanner

8:29
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

دیوان غالب اردو

نسخۂ عرشی

نقشِ ثانی

نجم الدولہ دبیر الملک میرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ دہلوی
متخلص بہ اسد و غالب (متوفی ۱۲۸۵ھ = ۱۸۶۹ء) کے
تمام اردو کلام کا مجموعہ جسے تاریخی ترتیب کے ساتھ
پیش کیا گیا ہے

ترتیب و تصحیح
امتیاز علی خاں عرشی

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

2
579
Scanned with CamScanner

8:30
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

جناب اصغر علی آصف فیضی کے نام
جن کی پر خلوص فرمائش
اور پیہم اصرار نے مجھے
اس کام پر آمادہ کیا

rekhta

Scanned with CamScanner

8:30
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ترتیبِ مندرجات

تقریب ―――― ز-ح

مقدمہ ―――― ۱ - ۱۶۰

سرگزشت ۲، تعلیم و تربیت ٤، عربی ٥، فارسی ٥، اُستاد ٥، مطالعہ ۷، تتبعِ اساتذہ ۸، راہِ سخن کے غول ۱۰، اصل الاصول ۱۱، بیدلانہ فارسی ۱۱، تتبعِ لہجہ ۱۲، تصوف و نجوم ۱۲، شعر گوئی ۱۲، تخلص ۱۳، اُستادِ شعر ۱٤، ریختہ گوئی: پہلا دور ۱٤، دوسرا دور ۱٥، فارسی نگاری ۱۷، تدوینِ اشعار ۱۸، دیوانِ اُردو: نسخۂ عرشی زادہ ۱۹، نسخۂ کلکتہ ۲۰، نسخۂ بھوپال ۲۰، نسخۂ شیرانی ۲۰، پہلا انتخاب: گلِ رعنا ۲۱، دوسرا انتخاب: متداول دیوان ۲۲، کس نے انتخاب کیا ۲۲، معیارِ انتخاب ۲٤، مقدارِ انتخاب ۲٤، تاریخ و مقامِ انتخاب ۲٥، آخری انتخاب ۲۹، طرزِ سخن ۳۰، تعریفِ سخن ۳۲ تعریفِ شعر ۳۳، اوصافِ شعر ۳٤، عیوبِ شعر ۳۷، صنائعِ لفظی ٤۰، میزانِ شعر ٤٤، سہلِ ممتنع ٤٦، شرکتِ مشاعرہ: کلکتے کے مشاعرے ٤۷، دھلی کے مشاعرے ٤۸، اخبار میں اشاعتِ اشعار ٥۳، بھبتی یا مدح ٥٥، ہزل و ہجو ٥۷، معاصرین کا اعتراف ٥۸، ناقدردانیِ عصر ٦۰، ہنگامۂ کلکتہ ٦۰، قیدِ دھلی ٦۱، شعر گوئی متروک ٦٥، جدید ترتیبِ دیوان ۷۲، مشتملات ۷٤، ترتیب ۷٦، اختلافِ نسخ ۷۷، زیرِ مطالعہ نسخے ۷۹، قلمی نسخے: نسخۂ عرشی زادہ ۷۹، نسخۂ بھوپال ۸٦، نسخۂ شیرانی ۹۲، گلِ رعنا ۹۹، نسخۂ رام پورِ قدیم ۱۰۱، انتخابِ غالب ۱۰۳، نسخۂ بدایوں ۱۰٦، نسخۂ دیسنہ ۱۱۱، نسخۂ کریم الدین ۱۱۳، نسخۂ لاھور ۱۱٥، نسخۂ رام پورِ جدید ۱۱۷، انتخابِ غالب ۱۲٥، مطبوعہ نسخے: پہلا ایڈیشن ۱۲۷، دوسرا ایڈیشن ۱۳۱، تیسرا ایڈیشن ۱۳۳، چوتھا ایڈیشن ۱٤۰، پانچواں ایڈیشن ۱٤۳، نسخۂ حمیدیہ (اول) ۱٤٥، لطیف ایڈیشن ۱٥۰، نسخۂ حمیدیہ (دوم) ۱٥۱، ماخذوں کی تاریخی ترتیب ۱٥٤، علامات ۱٥٥، دیگر علامات ۱٥٦، حواشی ۱٥٦، فہرستِ اشعار ۱٥۷، اشارے ۱٥۷، املا اور رسم الخط ۱٥۸، علاماتِ وقف ۱٥۹، تصاویر ۱٥۹، شکریہ ۱٦۰

گنجینۂ معنی ―――― ۱―۱۲٦

قصائد ۲ غزلیات ۱۱ ― ۱۲٤

5
579
Scanned with CamScanner

8:30
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

الف ۱۱، ب ۲۳، ت ۳۴، ث ۳۶، ج ۳۷، چ ۳۸، ح ۳۹، د ۳۹، ر ۴۲، ز ۴۴، س ۴۸، ش ۴۹، ع ۵۰، غ ۵۱، ف ۵۲، ك ۵۳، گ ۵۴، ل ۵۴، م ۵۷، ن ۵۹، و ۷۲، ه ۷۵، ی ۷۹

رباعیات ۱۲۵

نوائے سروش ۱۲۷—۳۴۷

دیباچہ ۱۲۸ — قصائد ۱۴۸

قطعات ۱۳۱ — غزلیات ۱۵۹ — ۳۳۸

مثنوی ۱۴۶ — الف ۱۵۹، ب ۱۹۴، ت ۱۹۵، ج ۱۹۷، چ ۱۹۸، د ۱۹۹، ر ۲۰۰، ز ۲۰۷، س ۲۰۹، ش ۲۱۰، ع ۲۱۱، ف ۲۱۱، ك ۲۱۲، گ ۲۱۴، ل ۲۱۴، م ۲۱۵، ن ۲۱۶، و ۲۴۲، ه ۲۵۴، ی ۲۵۴

رباعیات ۳۳۹ — خاتمہ ۳۴۴

یادگار نالہ ۳۴۹—۴۴۲

قطعات ۳۵۰ — سلام ۳۹۰

مثنویات ۳۶۱ — سہرے ۳۹۲

قصائد ۳۷۶ — مخمس ۳۹۵

مرثیہ ۳۸۷ — غزلیات ۴۰۰—۴۳۸

الف ۴۰۰، ب ۴۰۴، ر ۴۰۵، س ۴۰۶، ط ۴۰۶، ك ۴۰۷، ل ۴۰۹، ن ۴۱۰، و ۴۲۲، ه ۴۲۴، ی ۴۲۶

رباعیات ۴۳۹

باد آورد ۴۴۳—۴۵۷

غزلیات

الف ۴۴۴، ج ۴۴۷، ر ۴۴۷، م ۴۴۸، ن ۴۴۸، و ۴۵۰، ه ۴۵۰، ی ۴۵۱

رباعیات ۴۵۷

استدراك ۴۵۹—۵۲۴

گزارش ۴۶۱ — گنجینۂ معنی ۴۶۸

Scanned with CamScanner

8:31
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

نوائے سروش ۵۰۱ باد آورد ۵۲۴
یادگار نالہ ۵۲۰

فہرست اشعار ۵۲۵—۵۳۶

اشاریہ ۵۳۷—۵۷۱
اشخاص و السنہ وغیرہ ۵۳۷ کتب و علوم وغیرہ ۵۶۲
مقامات وغیرہ ۵۵۶

معذرت ۵۷۲

صحت نامہ ۵۷۳

rekhta

Scanned with CamScanner

8:31
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تقریب

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، غالب کے کلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ غالب کی زندگی، اُن کی شخصیت اور شاعری، اُن کے خطوط اور دیگر تحریروں کے متعلق تلاش و تحقیق اور تحسین و تنقید کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور شخصیت کی رنگینی اور تصانیف کی جامعیت کے پیشِ نظر، یقین ہے کہ، یہ جاری ہی رہے گا۔ اردو کے کسی شاعر کے متعلق اتنا نہیں لکھا گیا جتنا غالب کے متعلق۔ مگر خود اُنہیں کے الفاظ میں: حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

غالب کے کلام کے جتنے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، اُن میں نسخۂ حمیدیہ (انوارالحق)، ارمغانِ غالب (اکرام)، انتخابِ غالب (عرشی) اور دیوانِ غالب (مالک رام) کی خاص اہمیت ہے۔ غالب کے تنقیدی شعور کے مطالعے کے لیے ان نسخوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف کو سب سے پہلے غالب کے سارے اُردو کلام کو تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کرنے کا خیال آیا تھا، مگر اُن کے تیار کیے ہوئے مواد کا صرف نصف حصہ چھپ سکا۔ اکرام نے پہلے غالب نامہ اور بعد میں ارمغانِ غالب میں یہ کوشش کی، مگر ادھوری۔ مالک رام نے نسخۂ حمیدیہ کے منتخب اشعار اور کچھ متفرق شعر مروجہ دیوان میں شامل کر کے عام پڑھنے والوں کے لیے ایک اچھا ایڈیشن تیار کردیا۔ مگر زیرِ نظر ایڈیشن، جو اُردو کے مشہور محقق اور غالبیات کے ماہر جناب امتیاز علی عرشی کی برسوں کی محنت کا نتیجہ ہے، نہ صرف ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتا ہے، بلکہ کلام کی تاریخی ترتیب اور صحت، نسخوں کے اختلاف کی نشاندہی، شرح اور ضروری حواشی کے لحاظ سے، اب تک کی ساری کاوشوں پر بھاری، اور اُردو میں ادبی تحقیق اور عالمانہ نظر کا ایک قابلِ فخر اور ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔

انجمن ترقیِ اُردو (ہند) ابتدا سے اساتذہ کے دواوین، نادر تذکروں اور ادبِ عالیہ کی اشاعت میں کوشاں رہی ہے۔ دورِ جدید میں اُس نے غالب کے متعلق «احوالِ غالب» اور «نقدِ غالب» کے نام سے دو کتابیں شائع کی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ جناب امتیاز علی عرشی کی عرق ریزی کا یہ شاہ کار بھی انجمنِ ترقیِ اُردو (ہند) کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

Scanned with CamScanner

8:31
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

یہ تو صحیح ہے کہ غالب کی عظمت کا قصر فلک بوس متداول دیوان پر قائم ہے۔ لیکن نسخۂ حمیدیہ کے اشعار کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو اُن ابتدائی نقوش میں بھی جابجا ایسے شوخ رنگ مل جاتے ہیں جن سے غالب کی تخلیقی صلاحیت، اُن کی نقش گری، اُن کی تخیل کی بلندی اور اُن کے ذہن کی پرواز کا علم ہوتا ہے۔ دوسرے، ادبیات کے ہر سنجیدہ طالبِ علم کے لیے ان اشعار کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انہیں سیڑھیوں سے گزر کر غالب فکر و فن کی اُس بلندی تک پہنچے جو اُن کا خاصہ ہے۔ غالب بڑے باشعور شاعر ہیں، مگر وہ بھی اپنے بہ ترین اشعار کا انتخاب نہیں کر سکے ہیں۔ جس طرح نسخۂ حمیدیہ کے سو ڈیڑھ سو اشعار شامل ہونے سے رہ گئے، اسی طرح انتخابِ غالب (رام پور) میں بھی متعدد ایسے اشعار درج نہیں ہو سکے جنھوں نے غالب کو غالب بنایا۔ اسی وجہ سے غالب کا صحیح مطالعہ اُن کے سارے کلام کے پیشِ نظر ہی ہو سکتا ہے۔ عرشی صاحب اس لحاظ سے بھی ادائے خاص سے نکتہ سرا ہوئے ہیں اور اُنھوں نے یارانِ نکتہ داں کو صلائے عام دی ہے۔

بڑا شاعر وہ ہے جو زندگی کے متعلق بھرپور اور گہری بصیرت عطا کرے۔ غالب کا کلام واقعی ایک جامِ جہاں نما ہے۔ اُن کی تخیل میں بلندی ہے، اُن کے احساس میں تندی و تیزی ہے۔ وہ صورتگری کے بادشاہ ہیں۔ وہ افکار و اقدار کے شاعر ہیں۔ وہ انسانیت کے ہر رنگ میں پرستار ہیں۔ اُنھوں نے بت شکنی بھی کی ہے، اور نئے افکار کے صنم خانے بھی بنائے ہیں۔ وہ دلوں کی گہرائیوں میں بھی جھانک سکتے ہیں، اور ذہن کے ہر پیچ و خم سے بھی واقف ہیں۔ وہ اپنے دور کے نمایندے بھی ہیں اور اُس سے بلند بھی۔ اُن کی غزل حدیثِ دل ہی نہیں، صحیفۂ زندگی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کے کلام میں ایک ایسا آئینہ خانہ ملتا ہے، جس کے جلووں سے ذہنوں میں فکر و نظر کے چراغ جل اُٹھتے ہیں، اور دلوں میں انسانیت کی عظمت کا نقش اور گہرا ہو جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ خاص و عام اس شاندار کارنامے کا مناسب اور موزوں خیر مقدم کریں گے، اور اس سے غالب کی زبان کی محبت اور اُس کی خدمت کا نیا ولولہ حاصل کریں گے۔

علی گڑھ
(۱۹۵۸ء)

آلِ احمد سرور
جنرل سیکریٹری انجمنِ ترقیِ اردو (ہند)

Scanned with CamScanner

8:31
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مقدّمہ

rekhta

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قاضی محمد صادق خاں اختر نے تذکرۂ «آفتابِ عالمتاب» کی ترتیب کے دوران میں، مولوی سراج الدین احمد کی وساطت سے، میرزا صاحب سے حالاتِ زندگی اور منتخب اشعار طلب کیے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:[1]

«از ناکسانِ روزگار، و یکسانِ دهلی دیار، مسلمانان زاده ایست کافر ماجرا، و گبریست مسلمان نما، که از غلط نمائی «غالب» تخلص می کند و بدین رنگ ژاژ می خاید۔ فرد:

خرسندیِ غالب نبود زین همه گفتن
یك بار بفرمای که «ای هیچ کسِ ما!»

پنهان نماناد که در اصلِ آفرینش از دودۂ روز فرورفتگان و حلقۂ بخت برگشتگانِ ستمرسیده و روی بهی نادیده کسم۔ آرایشِ سخن پیش کش، ترك نژادم و نسبِ من به افراسیاب و پشنگ می پیوندد۔ بزرگانِ من، از آنجا که با سلجوقیان پیوندِ همگوهری داشتند، بعهدِ دولتِ اینان رایتِ سروری و سپهدی افراشتند۔ بعدِ سپری شدنِ روزگارِ جاهمندیِ آن گروه، چون ناروائی و بینوائی روی آورد، جمعی را ذوقِ رهزنی و غارتگری از جای برد، و طایفۂ را کشاورزی پیشه گشت۔

نیاگانِ مرا به توران زمین شهرِ سمرقند آرامشگاه شد۔ ازان میانه نیای من از پدرِ خود رنجیده، آهنگِ هند کرد و به لاهور همرهیِ معین الملك گزید۔ چون بساطِ دولتِ معین الملك در نوشتند، بدهلی آمد و با ذوالفقار الدوله میرزا نجف خان بهادر پیوست۔

---

۱ ۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ۷۲ ۔

11
579
Scanned with CamScanner

8:32
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

زان پس، پدرم، عبد الله بیگ خان، به شاهجهان آباد بوجود آمد، و من با کبر آباد - چون پنج سال از عمرِ من گزشت، پدر از سرم سایه بر گرفت - عمِّ من، نصر الله بیگ خان، چون خواست که مرا بناز پرورد، ناگاه مرگش فراز آمد - کاینش پنج سال پس از گزشتنِ برادر، پیٔ مهین برادر برداشت، و مرا درین خرابه جا تنها گزاشت - و این حادثه که مرا نشانهٔ جان گدازی و گردون را کینه بازی بود، در سالِ هزار و هشت صد و شش عیسوی بهنگامِ هنگامهٔ لشکر آرائی و کشور کشائیِ صمصام الدوله جرنیل لاڑد لیك صاحب بهادر بروی کار آمد -

چون عمِّ مرحوم از دولتیانِ دولتِ اهلِ فرنگ، وبا انبوهی چار صد سوار برکابِ صمصام الدوله با سرکشان سرگرمِ جنگ بود، و هم از بخششهای سرکارِ انگریزی دو پرگنهٔ سیر حاصل از مضافاتِ اکبر آباد بجاگیر داشت، سپه سالارِ انگلسیه، بخون بهای آفتاب، کلبهٔ تارِ گدایان را چراغ، و ما بینوایان را بعوضِ جاگیر بمشاهره، از خارِ خارِ جستجوی وجهِ معاش فراغ بخشید - تا امروز که شمارهٔ نفس شماریِ زندگانی بچل و چار میرسد، بدان راتبه خرسندم و بدان مایه قانع -

در سخن از پرورش یافتگانِ مبدأ فیّاضم، و سوادِ معنی را بفروغِ گوهرِ خویش روشن کرده ام - از هیچ آفریده حقِ آموزگاریم بگردن، و بارِ منتِ رهنمائیم بر دوش نیست - رباعی:

غالب، بگهر ز دودهٔ زادشمم   زان رو، بصفای دمِ تیغست دمم
چون رفت سپهدی، زدم چنگ بشعر   شد، تیرِ شکستهٔ نیاگان، قلمم

نامه بپایان رسید، و شرمِ پراگنده گوئی و دراز نفسی بر من اشتلم کرد - دیده وران دانند که گفتنی فراوان بود و افسانه پریشان - تا کجا اندك گفتمی و گفتار را از درازی نگاه داشتمی - مرا در آنچه رفت، گناهی نیست؛ و اگر خود گناهست،

دوست کریم است و کرم عذرخواه»

یه سرگزشت سنه ۱۸٤۱ع تك کے اہم سوانحِ زندگی کا خلاصه تھی - اس کے ۲۰ سال بعد، سنه ۱۸٦۱ع میں نواب علاؤالدین احمد خاں بہادر علائی کو ایك اردو خط میں، جو حسنِ بیان کا بہترین نمونه ھے، تحریر فرماتے ھیں:[1]

«سنو عالم دو ھیں: ایك عالمِ ارواح اور ایك عالمِ آب و گِل - حاکم ان دونوں عالموں کا

---

۱ - عود : ٦۹، اردوے معلی : ۳۹۹، خطوط : ۱، ۳۲۷ -

rekhta
12
579
Scanned with CamScanner

8:32
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے: «لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ»؟ اور پھر آپ جواب دیتا ہے: «لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ»۔

ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالمِ آب و گل کے مجرم، عالمِ ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالمِ ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب سنہ ۱۲۱۲ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ع) میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ ۱۳ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ھ (۹ اگست ۱۸۱۰ع) کو میرے واسطے حکمِ دوامِ حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پانو میں ڈال دی، اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا، اور مجھے اُس زندان میں ڈال دیا۔ فکرِ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد، میں جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتے سے پکڑ لائے اور پھر اُسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریزپا ہے، دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں۔ پانو بیڑی سے فگار، ہات ہتکڑیوں سے زخمدار۔ مشقتِ مقرری اور مشکل ہوگئی۔ طاقت یک قلم زایل ہوگئی۔

بے حیا ہوں۔ سالِ گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زندان میں چھوڑ، مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔

اس کے بعد سرگزشتِ غالب پر «درازِ نفسی» بیکار ہے۔ صرف اتنا عرض کردوں کہ لالہ زارِ شاعری کا یہ بلبلِ خوشنوا دوشنبہ ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ (۱۵ فروری ۱۸۶۹ع) کو ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا[1]۔ حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا!

تعلیم و تربیت

میرزا صاحب کی تعلیم زیادہ اونچی نہ تھی۔ وہ خود اس سلسلے میں اپنے کلیاتِ فارسی کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں[2]:

«شخصِ استعدادِ مرا پیرایۂ نازشِ فضل و تشریفِ وجودِ مرا سرمایۂ برازشِ کمال نیست۔

۱۔ مکاتیب غالب: ۱۸۹ (حواشی)۔ ۲۔ کلیات غالب: ۱۰۔

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

نہ ترانۂ صرف و اشتقاقم بر لب است، ونہ زمزمۂ سلب و ایجابم بزبان ۔ نہ خونِ صُراحم بگردنست، و نہ نعشِ قاموسم بردوش» ۔

عربی

عربی کے متعلق ١٨٦٢ع میں تفتہ کو لکھتے ہیں[1]:

«میں عربی کا عالم نہیں، مگر نرا جاہل بھی نہیں ۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں ۔ علما سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں» ۔

تقریباً اسی زمانے میں عربی تعلیم کی تحدید بھی کر دی ہے ۔ فرماتے ہیں[2]:

«میں نے ایامِ دبستان نشینی میں، شرحِ مأۃ عامل تک پڑھا ۔ بعد اس کے لہو و لعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور و عیش و عشرت میں منہمک ہو گیا» ۔

فارسی

فارسی کے بارے میں لکھتے ہیں[3]:

«فارسی میں مبدأ فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد میں جوہر» ۔

استاد

اس میں شک نہیں کہ میرزا صاحب کو یہ دستگاہ خلیفہ محمد معظم کی تعلیم اور ذاتی مطالعے سے ملی تھی ۔ مگر اُن کے یہاں ایک ایرانی استاد کا بھی ذکر آیا ہے ۔ فرماتے ہیں[4]:

«شت ہرمزد نام پارسی نژاد فرزانۂ بود از تخمۂ ساسانیان ۔ پس از گرد آوردنِ فراوانِ دانش، کیشِ اسلام گُزیدہ و خود را عبد الصمد نامیدہ، در سالِ یکہزار و دویست و بست و شش ہجری بطریقِ سیاحت بہند آمدہ و بہ اکبر آباد، کہ پیکر پزیرفتن و خرد آموختنِ من ہمدران شہرِ خُجستہ بہ بودہ است، دو سال بکلبۂ احزانِ من آسودہ است، و من آیینِ معنی آفرینی و کیشِ یگانہ بینی از وَی فراگرفتہ ام ۔ برنہادِ وی آفرین باد، و برروانِ وی آباد!»

١ ـ خطوط : ١، ٨٣ ـ ٢ ـ غالب (مہر) : ٣٨، بحوالۂ رسالۂ ہندوستانی جنوری ١٩٣٤ع ـ ٣ ـ خطوط : ١، ٤٠٨ ـ ٤ ـ قاطع برہان : ٧ ـ

Scanned with CamScanner

8:32
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اس گرامی استاد کی تعلیم سے استفادے کے متعلق فرماتے ہیں[1]:

«اگر فرزانہ فرزبود آیین عبد الصمد راہ ننمودی، نسامہ نگار نیز یکی از نگرندگان بودی ۔ نہ خود راہِ راست پیمودی، و نہ دیگران را آگہی افزودی» ۔

اُس کی استعدادِ علمی کے بارے میں لکھتے ہیں[2]:

«فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا ۔ ناگاہ ایک شخص کہ ساسانِ پنجم کی نسل میں سے، معہذا منطق و فلسفہ میں مولوی فضلِ حق مرحوم کا نظیر اور مومنِ موحّد و صوفیِ صافی تھا، میرے شہر میں وارد ہوا، اور لطایفِ فارسیِ بُحت اور غوامضِ فارسیِ آمیختہ بعربی اُس سے میرے حالی ہوے ۔ سونا کسوٹی پر چڑھ گیا ۔ ذہن معوّج نہ تھا ۔ زبانِ دری سے پیوندِ ازلی اور اُستاد بے مبالغہ جاماسپِ عہد و بزرجمہرِ عصر تھا ۔ حقیقت اس زبان کی دلنشین و خاطر نشان ہوگئی» ۔

مفتی محمد عباس لکھنوی کو «قاطعِ برہان» کا ایک نسخہ تحفے میں بھیجنے کے بعد تحریر کیا ہے[3]:

«علم و ہنر سے عاری ہوں، لیکن پچپن برس سے محوِ سخن گزاری ہوں ۔ مبدأ فیاض کا مجھ پر احسانِ عظیم ہے ۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے ۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبتِ ازلی و سرمدی لایا ہوں ۔ مطابق اہلِ پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں ۔ مناسبتِ خدا داد، تربیتِ اُستاد، حسن و قبحِ ترکیب پہچانتے، فارسی کے غوامض جاننے لگا» ۔

نامۂ غالب میں ارشاد فرماتے ہیں[4]:

«زبان دانیِ فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص من جانب اللہ ہے ۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھکو خدا نے دیا ہے ۔ مشق کا کمال میں نے اُستاد سے حاصل کیا ہے» ۔

نواب کلبِ علی خاں والیِ رام پور کی خدمت میں عرض کیا ہے[5]:

«بدوِ فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا ۔ چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھکو ملے ۔ بارے مراد بر آئی، اور اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اُس

۱ - قاطع برہان : ۸۸ - ۲ - غالب (مہر) : ۲۸ ۳ - اردوے معلی : ۲۱۷ - ٤ - نامۂ غالب : ٤ - ٥ - مکاتیب غالب : ٦٠ -

15
579
Scanned with CamScanner

8:32
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

سے حقایق و دقایق زبانِ پارسی کے معلوم کیے۔ اب مجھے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے»۔

«تیغِ تیز» میں بھی عبدالصمد کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں[1]:

«بعد ایک مدت کے جب میں دلی آرہا اور مولوی فضلِ حق مغفور سے بعدِ ملاقات ربط بڑھا، ایک روز بحسبِ اتفاق «هرمزد» کا ذکر درمیان آگیا، اور اُس کے ذکر کے آنے کی تقریب معنیِ صمد اور اروند کے اتحاد کی شرح»۔

ان بیانوں سے بظاہر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میرزا صاحب کو زبانِ فارسی سے طبعی مناسبت اور فطری لگاؤ تھا۔ حسنِ اتفاق سے ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ع) میں جب کہ میرزا صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی، ایک ایرانی نومسلم آگرے میں وارد ہوا اور دو برس تک میرزا صاحب کے مکان پر ٹھہرا۔ اس مدت میں میرزا صاحب نے خالص اور آمیختہ بعربی فارسی کے حقایق و دقایق کی اُس سے تحصیل کی، کمالِ مشق سے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل کیا اور طبعی ذوق کے سونے کو اُستاد کی تعلیم کی کسوٹی پر چڑھا کر کندن بنا لیا۔

لیکن فی الحقیقت یہ شخصیت افسانہ تھی، جسے از راہِ مصلحت میرزا صاحب نے پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ اس راز کی خود ہی طلسم کشائی کرتے ہوے فرماتے ہیں[2]:

«مجھ کو مبدأ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔ عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے۔ چونکہ مجھ کو لوگ «بے اُستادا» کہتے تھے، اُن کا منھ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی اُستاد گھڑ لیا ہے»۔

مطالعہ

بہر حال میرزا صاحب فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ خود اُنھوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ «میں فارسی کا محقق ہوں[3]»، اور تفتہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ «مرتا ہوں، مجھے سمجھاتے ہو کہ «صد جا در کلامِ اہلِ زبان خواهند یافت»، مگر میں بانیِ کلامِ اہلِ زبان نہیں[4]؟»، نیز اُنھیں کو لکھا ہے کہ «فارسی کی میزان، یعنی ترازو، میرے ہات میں ہے[5]»۔ تاہم

---

۱ - تیغ تیز : ۱٤ - ۲ یادگار غالب : ۱٤، طبع اول - ۳ - اردوے معلی : ۱۰۲، خطوط : ۱/۵۲ - ٤ - ایضاً : ۱/۸۳ - ۵ - ایضاً : ۱/۸۵ -

16
579
Scanned with CamScanner

8:33
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اس ادّعا میں حقیقت کی بھی جلوہ گری ہے اور اس کا باعث اُن کا اساتذۂ پارس کے کلام کا وسیع اور گہرا مطالعہ ہے، جو فارسی سے انتہائی دلچسپی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ «نظم و نثرِ فارسی کا عاشق و مایل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں، مگر تیغِ اصفہانی کا گھایل ہرد[1]»۔

نیز کلیاتِ فارسی کے خاتمے میں فرماتے ہیں[2]:

«شیخِ علیِ حزین، بخندۂ زیر لبی، بے راهه رویهای مرا در نظم جلوه‌گر ساخت، و زهرِ نگاهِ طالبِ آملی، و برقِ چشمِ عرفیِ شیرازی، مادّۂ آن هرزه جنبشهای ناروا در پای ره پیمای من سوخت۔ ظهوری، بسرگرمیِ گیرائیِ نفس، حرزی بیازوی و توشۂ برکرم بست، و نظیریِ لاأبالی خرام بهجارِ خاصۂ خودم بچالش آورد۔ اکنون بیمنِ فرّۂ پرورش آموختگیِ این گروهِ فرشته شکوه، کلکِ رقاصِ من بخرامش تدرو است و برامش موسیقار، بجلوه طاؤس است و بپرواز عنقا»۔

تتبع اساتذہ

لیکن اس دعوے کے باوجود میرزا صاحب اساتذۂ زبان کے پیرو تھے۔ گو اُردو کے بارے میں اُنھوں نے اپنے متعلق کہا ہے کہ «اس امر کے مالک اور اهلِ زبان هم هیں[3]»، لیکن نواب علی بہادر، والیِ باندہ، کو یہی مشورہ دیا ہے کہ «از ریختہ گویان گفتارِ میر و میرزا — در نظر داشته باشند[4]»۔

فارسی میں خود بھی اهلِ زبان سے استناد کرتے ہیں اور شاگردوں کو بھی اس کی هدایت فرماتے ہیں کہ «لغتِ فارسی اور روز مرۂ فارسی هو، تو اهلِ زبان کے کلام سے سند کریں[5]»۔ اور اس امر میں اپنے معاصرین سے استفادے کو بھی موجبِ عار نہیں جانتے۔ چنانچہ میرزا علی اکبر شیرازی کے متعلق نور الحسن خاں کو لکھتے ہیں[6]:

«غزلی از فکرهای تازه هم درین ورق مینگارم، و از شما بدین تفقد امیدوارم که ویژه از بهرِ این کار بدان والا گهر پیوندید، و غزل را پیشِ باریافتگانِ بزمِ والایش برخوانید، و عرضه دارید که هندوستانیے بدین هنجار در پارسی زبان سخن میسراید۔ اگر آنچه میگوید در خورِ آفرین

۱ - عود: ۱۲۶ اردوے معلی: ۲۰۵ - ۲ - کلیات: ۵۵٤ - ۳ - خطوط: ۱۸۳/۱ - ٤ - کلیات نثر، پنج آهنگ: ۲۳۲ ٥ - ایضاً: ۱۱٦ -

17
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

است دستوریے، تا دیگر از کلك و ورق کام ستان و بخیالِ نغز گفتاری شادمان باشد ـ ورنہ دور باشے. تا بعد ازین گردِ این آرزو نگردد و ہرزہ خونِ جگر نخوردہ ـ

ہاں امیر خسرو کے سوا اور کسی ہندوستانی کو استاد کے قابل نہیں جانتے ـ سرور کو لکھا ہے[1]:

«حضرت کو یہ معلوم رہے کہ میں اہلِ زبان کا پیرو، اور ہندیوں میں سوائے امیرِ خسروِ دہلوی کے سب کا منکر ہوں ـ جب تك قدما یا متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزین کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا، اُس کو نظم اور نثر میں نہیں لکھتا ـ

جن لوگوں کے محقق ہونے پر اتفاق ہے جمہور کو، اُن کا حال کیا گزارش کروں؟ ایك اس میں صاحبِ «برہانِ قاطع» ہے ـ اب ان دنوں میں «برہانِ قاطع» کو دیکھ رہا ہوں، اور اُس کے فہم کی غلطیاں نکال رہا ہوں ـ اگر زیست باقی ہے، تو ان نکات کو جمع کر کے اس نسخے کا نام «قاطعِ برہان» رکھوں گا» ـ

میرزا تفتہ کو تحریر کرتے ہیں[2]:

«اہلِ ہند میں سوائے خسروِ دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں ـ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیك نکل جاتی ہے ـ فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ہے ـ جو اپنے نزدیك صحیح سمجھا، وہ لکھ دیا ـ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو، تو ہم اُس کو مانیں ـ ہندیوں کو کیوں کر مسلم الثبوت جانیں؟»

بیخبر کو لکھا ہے[3]:

«فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی ـ پس میں اس کی صحت اور غلطی میں کلام نہیں کر سکتا ـ جانبِ غلطی میرے نزدیك راجح ہے ـ آپ جب تك کلامِ اہلِ زبان میں نہ دیکھ لیں، اس کو جائز نہ جانیے گا ـ مگر کلام سعدی و نظامی و حزین اور اُن کے امثال و نظایر کا معتمد علیہ ہے، نہ آرزو اور واقف اور قتیل و غیرہم کا» ـ

ایك اور خط میں پھر سرور کو لکھا ہے[4]:

«ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیرِ خسروِ دہلوی، علیہ الرحمہ، کے سوا کوئی اُستاد

۱ ـ عود: ۱۷ ـ ۲ ـ اردوے معلی، لاہور ایڈیشن: ۳۶۲، خطوط: ۱/۱۰۰ ـ ۳ ـ عود: ۱۳۳ ـ ٤ ـ عود: ٤۳ ـ

18
579
Scanned with CamScanner

8:33
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہے، یا ہمچشم نظامی گنجوی و ہمطرح سعدی شیرازی ہے۔

خیر، فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے۔ کلام اُس کا پسندیدۂ جمہور ہے۔ دیکھو، عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے: «زہی سپاہی فالیزا» آرزو، فقیر اور شیدا اور بہار و غیرہم، انہیں میں ناصر علی اور بیدل اور غنیمت، ان کی فارسی کیا! ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے۔ ہات کنگن کو آرسی کیا!

منت، اور مکین، اور واقف اور قتیل، یہ تو امر قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں؟ خیر، ہوں، فاضل کہلائیں۔ کلام میں ان کے مزا کہاں؟ ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟

فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے، اس میں بیروی قیاس ایک بلاے عام ہے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے، اور ہر اعتراض بجا ہے۔ با ایں ہمہ، وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منھ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو صنایع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوہ و روش کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں۔ قاضی محمد صادق اختر عالم ہوں گے۔ شاعری سے اُن کو کیا علاقہ!

راہ سخن کے غول

ہندی شاعروں اور ادیبوں کا نام میرزا صاحب نے راہ سخن کے غول رکھا تھا۔ خلیفہ شاہ محمد، مادھو رام، غنیمت اور قتیل کی طرف اشارہ کرتے ہوے نواب انورالدولہ بہادر شفق کو لکھا ہے[1]۔

«یہ لوگ راہ سخن کے غول ہیں، آدمی کو گمراہ کرنے والے۔ یہ فارسی کیا جانیں! ہاں، طبع موزوں رکھتے تھے، شعر کہتے تھے:

هرزه مشتاب و پی جاده شناسان بردار
ای که در راه سخن چون تو هزار آمد و رفت»

۱۔ اردوے معلی: ۲۹۹۔

19
579
Scanned with CamScanner

8:33
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اصل الاصول

اُن کی رائے میں فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول، مناسبتِ طبیعت اور تتبعِ کلامِ اہلِ زبان ھے۔ «اساتذہ کے کلام کے مشاھدے میں اگر توغل رھے، تو ھزارھا بات نئی معلوم ھوتی ھے[1]» اور انسان کی نظر میں واقعی ادبی وسعت پیدا ھو جاتی ھے۔

سرور کو ایك خط میں لکھتے ھیں[2]:

«فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ھے، پھر تتبعِ کلامِ اہلِ زبان۔ لیکن نہ اشعارِ قتیل و واقف و شعرائے ھندوستان، کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کو موزونیِ طبع کا نتیجہ کہیے، اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ھیں۔ نہ ترکیب فارسی، نہ معنی نازك۔ ھاں، الفاظِ فرسودۂ عامیانہ، جو اطفالِ دبستاں جانتے ھیں، اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ھیں، وہ الفاظِ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ھیں۔

جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشیدِ وطواط اور ان کے امثال و نظایر کا کلام باستیفا دیکھا جائے، اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے، اور ذھن اعوجاج کی طرف نہ لے جائے، تب آدمی جانتا ھے کہ ھاں فارسی یہ ھے»۔

نواب علی بہادر کو اصلاحِ اشعار کے سلسلے میں از راہِ نصیحت لکھا ھے[3]:

«اگر پژوھشِ این راز، و محرمیِ پردۂ این ساز آرزو دارند، از ریختہ گویان گفتارِ میر و میرزا، و از زمزمۂ پارسی گویان، کلامِ صائب و عرفی و نظیری و حزین در نظر داشتہ باشند۔ نہ در نظر داشتنی کہ سوادِ ورق از دیدہ بدل فرود نیاید، بلکہ ھمہ کوشش درانْ رود کہ جوھرِ لفظ را بشناسند، و فروغِ معنی را بنگرند، و سرہ را از ناسرہ جدا کنند»۔

بیدلانہ فارسی

چونکہ میرزا صاحب اساتذہ کی پیروی پر زور دیتے تھے، اس لیے یہ شبہ ھو سکتا ھے کہ اس اتباع میں تقلیدِ محض کا رنگ جھلکتا ھے۔ لیکن واقعہ یہ ھے کہ وہ غلطی میں کسی کی پیروی کے قائل نہ تھے، چنانچہ ایك خط میں لکھتے ھیں[4]:

۱۔ عود: ۱۳۱۔ ۲۔ ایضاً: ۸۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آھنگ: ۱۱۱۔ ٤۔ اردوے معلی، لاھور ایڈیشن: ۲۷۶۔

20
579
Scanned with CamScanner

8:36
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«غلطی میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے؟»

دوسرے خط میں فرماتے ہیں[1]:

«حزیں تو آدمی تھا۔ یہ مصرع اگر جبریل کا ہوتا، تو اُس کو سند نہ جانو، اور اس کی پیروی نہ کرو»۔

اب آپ غور کیجیے کہ جو شخص جمہور اور مستند اساتذۂ ایران کی تقلید بھی عامیانہ اور کورانہ طریق پر نہ کرتا ہو، وہ «بیدلانہ فارسی»[2] کو کس طرح قبول کر سکتا تھا، اور کوئی تعجب کا مقام نہیں، اگر اُس نے کہا ہے[3]:

«کیستم من کہ تا ابد بزیم، لاحول ولا قوۃ۔ یہ مصرع میرا نہیں۔ تا ابد بزیم، یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے»۔

تتبع لہجہ

اسی طرح وہ اس کو بھی نا پسند کرتے تھے کہ اہلِ ایران کے لہجے کا اتباع کیا جائے کہ یہ ایک خلقی وصف، اور اس لیے نا قابلِ تتبع ہے۔ چنانچہ قدر بلگرامی کو لکھا ہے[4]:

«تحریر میں اساتذہ کا تتبع کرو، نہ مغل کے لہجے کا۔ لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے، نہ دیبروں اور شاعروں کا۔ ایسی تقلید کو میرا سلام»۔

تصوف و نجوم

شعر و سخن کے متعلقات کے ساتھ میرزا صاحب نے علمِ نجوم اور تصوف کا بھی مطالعہ کیا تھا، جو دراصل اُس عہد کے شاعر کے لیے بہت ضروری تھا۔ چنانچہ خود بھی لکھتے ہیں کہ[5]:

«آرایشِ مضامینِ شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے۔ ورنہ سوائے موزونیِ طبع کے یہاں کیا رکھا ہے»۔

شعر گوئی

میرزا صاحب نے ابتدائے سنِ تمیز ہی سے شعر گوئی شروع کردی تھی۔ مگر اس وقت

۱۔ اردوئے معلی، لاہور ایڈیشن: ۳۵۸۔ ۲۔ خطوط: ۱/۸۳۔ ۳۔ ایضاً: ۱/۱۱۷۔ ۴۔ ایضاً: ۱/۱۷۹۔ ۵۔ عود: ۵۷، اردوئے معلی ۲۰۹۔

Scanned with CamScanner

8:36
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کیا عمر تھی اس بارے میں خود اُن کے بیان میں اختلاف ہے۔ کلیاتِ فارسی کے خاتمے میں فرماتے ہیں :

«از روزی کہ شمارۂ سنینِ عمر از آحاد فراترک رفت، و رشتۂ حساب زحمتِ یازدھمین گرہ بخود بر گرفت، اندیشہ در رواروِ گامِ فراخ برداشت، و کریوہ و مغاکِ بادیۂ سخن پیمودن آغاز نہاد»۔

سلطان محمد بہادر کو لکھتے ہیں[2]:

«در دہ سالگی آثارِ موزونیِ طبع پیدائی گرفت»۔

قدر بلگرامی کو سنہ ۵۷ع میں تحریر کیا ہے[3]:

«بارہ برس کی عمر سے کاغذ، نظم و نثر میں، مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے»۔

اُنھیں کو پھر سنہ ۶۸ع میں لکھتے ہیں[4]:

«پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں، ساٹھ برس بکا۔ نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد۔

شاکر کو بھی یہی تخمینہ تحریر فرماتے ہیں[5]:

«۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامینِ خیالی لکھا کیا»۔

ان بیانوں کے پیشِ نظر، میرزا صاحب کی سخن سرائی کا آغاز ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع)، ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ع) میں سے کسی ایک سال ہوا تھا۔ ان میں سے راجح قول یہی ہے کہ وہ تقریباً دس برس کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے، کیونکہ کلیاتِ فارسی کا اظہار، جو سب سے قدیم ہے، یہی ثابت کرتا ہے، اور اس کی تائید اُن کے ہمجولی لالہ کنہیا لال کے بیان سے بھی ہوتی ہے، جسے خواجہ حالی نے نقل کیا ہے[6]۔

تخلص : اسد و غالب

ابتداً میرزا صاحب «اسد» تخلص کرتے تھے۔ بعد ازاں اپنے نام «اسد اللہ» کی مناسبت

۱۔ کلیات:۵۵۳۔ ۲۔ کلیات نثر، بنج آہنگ: ۱۱۹۔ ۳۔ خطوط:۱/۱۷۷۔ ۴۔ ایضاً:۱۹۸۔ ۵۔ عود: ۱۵۹۔ ۶۔ یادگار غالب: ۱۰۷۔

22
579
Scanned with CamScanner

8:36
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

سے «غالب» تخلص اختیار کیا۔ منشی شیو نرائن کو اپریل سنہ۱۸۵۹ع میں تحریر کیا ہے[1]:

«میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں «اسد» تخلص رکھا ہے، ورنہ «غالب» ہی لکھتا رہا ہوں»۔

لیکن یہ «دو چار برس» صحیح تخمینہ نہیں۔ کیونکہ وہ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ع) تک «اسد» لکھتے رہے تھے۔ جب اس سنہ میں «غالب» تخلص رکھا، تو چند مثالوں کو چھوڑ کر ریختہ میں بیشتر اور فارسی میں تمام تر «غالب» تخلص استعمال کیا ہے[2]۔

استادِ شعر

جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے، میرزا صاحب نے کسی شخص کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا۔ چنانچہ کلیاتِ فارسی کے دیباچے میں لکھتے ہیں[3]:

«خرد آشوب زمزمۂ کہ بذوق بخشیِ نشاطِ سماعش زہرہ از آسمان فرود آید، بزبانم ودیعت نہادۂ اوست، و ہوشربا جنبشی کہ بکرشمہ ریزیِ انگیزِ اداہش از حورانِ طوبیٰ نشین درود آید، بہ نیِ کلکم باز دادۂ او:

رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم
سیرابیِ نطقم اثرِ فیضِ حکیم است»

سراج الدین احمد کے خط میں بھی صراحت کی ہے کہ «در سخن از پرورش یافتگانِ مبدأ فیاضم، و سوادِ معنی را بفروغِ گوہرِ خویش روشن کردہ ام۔ از ہیچ آفریدہ حقِ آموزگاریم بگردن و بارِ منتِ رہنمائیم بر دوش نیست»[4]۔

ریختہ گوئی: پہلا دور

میرزا صاحب کی شاعری کا آغاز ریختہ سے ہوا تھا۔ گلِ رعنا کے دیباچے میں فرماتے ہیں[5]:

«در آغاز خارِ خارِ جگر کاویِ شوقم ہمہ صرفِ نگارشِ اشعارِ اردو زبان بود»۔

نساخ کو لکھتے ہیں[6]:

۱ - اردوے معلی: ۳۷۱ - ۲ - نیز ملاحظہ ہوں مباحث نسخۂ عرشی زادہ - ۳ - کلیات فارسی: ٤ -
٤ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۷۲ - ۵ - ایضاً: ۲۹ - ۶ - عود: ۱۲۶، اردوے معلی: ۲۰۵ -

23
579
Scanned with CamScanner

8:36
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے»۔

شاکر کو تحریر فرماتے ہیں[1]:

«ابتدائے فکرِ سخن میں..... ریختہ لکھتا تھا»۔

نواب شمس الامرا، وزیر اعظمِ حیدر آباد، کو ایک فارسی خط میں لکھا ہے[2]:

«در آغاز ریختہ گفتی، وبہ اردو زبان غزل سرای بودی»۔

۲۵ سال کی عمر تک، زیادہ تر اردو ہی میں کہتے رہے۔ بعد ازاں فارسی زبان سے فطری لگاؤ کی بنا پر، فارسی میں کہنے لگے۔ شاکر کو تحریر کیا ہے[3]:

«۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامینِ خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہوگیا»۔

نواب شمس الامرا کو رقمطراز ہیں[4]:

«تا پارسی زبان ذوقِ سخن یافت، ازان وادی عنانِ اندیشہ بر تافت..... کا بیش سی سال ست، کہ اندیشہ پارسی سگال ست»۔

یہ خط اپریل سنہ ۱۸۵۳ع سے پہلے لکھا گیا تھا، اس لیے کہ یہ «پنج آہنگ» کے اُس ایڈیشن میں جو مذکورۂ بالا تاریخ کو دہلی کے مطبعِ دار السلام سے چھپ کر شایع ہوا تھا، شامل ہے، اور اس میں غالب نے دعوا کیا ہے کہ وہ گزشتہ ۳۰ سال سے فارسی میں فکرِ سخن کرتے ہیں۔ اگر ہم اسے ۱۸۵۲ع کا تسلیم کر کے مجموعے میں سے ۳۰ سال وضع کر دیں، تو ریختہ گوئی کے خاتمے اور پارسی سگالی کے آغاز کا سال ۱۸۲۲ع قرار پائے گا۔ اور چونکہ وہ ۱۷۹۷ع میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے اس وقت اُن کی عمر ۲۵ سال کی ہوگی، جو شاکر کے نام کے خط میں ذکر کی جاچکی ہے۔

ریختہ گوئی : دوسرا دور

۲۵ سال کی عمر کے بعد میرزا صاحب فارسی زبان کی نظم و نثر کی طرف زیادہ متوجہ ہوگئے اور تقریباً ۲۵، ۳۰ سال تک آتشِ پارسی ہی سے اپنے دل و دماغ کو گرم و آسودہ رکھتے رہے۔ اس زمانے میں ریختہ کہنے کا بھی اتفاق ہوا، لیکن فارسی کے مقابلے میں

۱۔ عود : ۱۵۹۔ ۲۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ۹۱۔ ۳۔ عود : ۱۵۹۔ ۴۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ۹۱۔

24
579
Scanned with CamScanner

8:36
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اُس کی مقدار نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی لیے اُنھوں نے اس پوری مدت میں اپنے آپ کو «فارسی نگار» کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

سنہ ۱۸۵۰ء میں قلعے سے تعلق پیدا ہوا، تو شاہ ظفر کی بدولت اُن کی ریختہ گوئی نے دوبارہ جنم لیا، اور شاہی مشاعروں کے لیے مختلف طرحوں میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ چنانچہ نواب علی بہادر، کو لکھتے ہیں[1]:

«ہر چند از دیر باز بہ گفتنِ ریختہ نمی گرایم، و بہ پارسی زبان سخن می سرایم. لیکن چون رضای خاطرِ حضرتِ ظل اللہی در آن است کہ این گونہ گفتار بدان حضرتِ فلک رفعت ارمغان می بردہ باشم، ناچار گاہ گاہ ریختہ ہمی گویم۔»

نساخ کو تحریر فرماتے ہیں[2]:

«پھر اوسطِ عمر میں بادشاہِ دہلی کا نوکر ہوکر، چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔»

سید بدر الدین کو اپنے مکتوب مورخۂ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۵ء (۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ) میں لکھا ہے[3]:

«آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلعے کے مشاعرے میں دو چار لکھی تھیں۔»

غدر کے بعد دلی پر آلام و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بادشاہ جلا وطن کیے گئے اور ان کے ہوا خواہ یا شہر بشہر مارے مارے پھرنے لگے، اور یا پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ ان ستم رسیدہ دلی والوں میں میرزا صاحب کے سرپرست بھی تھے، احباب اور شاگرد بھی۔ اُن کی جدائی نے میرزا صاحب کا دل توڑ دیا، اور وہ شعر و شاعری کو خیرباد کہہ کر، زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔ شاہ زادۂ بشیر الدین میسوری کو لکھتے ہیں[4]:

«نامہ نگار خود از دیر باز سرِ سخن سنجی ندارد۔ نہ گہر در ترازوست و نہ زور در بازو۔ شست وشش مرحلہ از مسیر عمر سبک سیر پیمودہ آمد۔ پنجاہ سال ہنگامۂ مہرورزی و عشقبازی با نکو محضرانِ دہلی گرم داشتہ ام۔ تا درین مدت چہ مایہ دوستانِ یکدل فراہم آمدہ باشند۔ ناگاہ چرخِ تیز گرد آن پیوندہای روحانی را بدانسان برید کہ خون از رگِ جان فروچکید۔ از ان

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۱۔ ۲۔ اردوے معلی: ۲۰۵، عود: ۱۲۶۔ ۳۔ اردوے معلی: ۱۲۷، خطوط: ۱۰۹/۱۔
۴۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۶۔

25
579
Scanned with CamScanner

8:36
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بے مر عزیزان کہ ہمہ را نیارم شمرد. درین تیر بارانِ حوادث و ناسزا کارزار نماندند مگر خستۂ چند۔ اینک من و بداغِ کشتگان نژند زیستن. و بر حالِ خستگانِ خون گریستن۔ خستۂ دھرۂ دھرم، و ماتمدارِ شہر و اھلِ شہر»۔

تاہم اس زمانے میں بھی صاحبانِ کرم کے خیال سے کچھ کہنا پڑتا تھا، لیکن ایسے اشعار کی تعداد بہت تھوڑی ھے، اس لیے اُنھیں پچھلے دور کا تتمہ خیال کرنا چاھیے۔

فارسی نگاری

اگرچہ میرزا صاحب نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی، لیکن وہ آغاز ھی سے نظم و نثرِ فارسی کے عاشق و مایل اور تیغِ اصفہانی کے گھایل تھے، اس لیے اُن کا ابتدائی اردو کلام، تخیل ارر الفاظ دونوں میں فارسی کہلانے کا زیادہ مستحق ھے۔

بقولِ خود وہ پچیس سال کی عمر تک، بیدل، شوکت اور اسیر کی طرز پر ریختہ لکھتے رھے۔ تمیز آنے پر طبیعت نے اس خار زار سے باھر نکلنے کی تدبیر سجھائی، اور اُنھوں نے نظیری، عرفی وغیرہ خداوندانِ سخن کے کلام کا مطالعہ کر کے، اُن کی راہ پر گامزنی شروع کی۔ چنانچہ کلیاتِ فارسی کے خاتمے میں ان اساتذہ سے اثر پزیر ہونے کا اعتراف کرتے ہوے لکھا ھے[1]:

«تا ھمدران تکاپو، پیش خرامان را بہ خجستگیِ ارزشِ ھمقدمی کہ در من یافتند، مہر بجنید، و دل از آزرم بدرد آمد۔ اندوہِ آوارگیہای من خوردند، و آموزگارانہ در من نگرستند»۔

لیکن واقعہ یہ ھے کہ میرزا صاحب اس عمر سے پہلے ھی فارسی میں کہنے لگے تھے۔ چنانچہ خواجہ حالی نے اُن کی طالبِ علمی کا ایک واقعہ لکھا ھے کہ «اُنھوں نے فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کیے تھے، جن کی ردیف میں «کہ چہ» بجائے «یعنی چہ» کے استعمال کیا تھا۔ جب اُنھوں نے وہ اشعار اپنے اُستاد شیخ معظم کو سنائے، تو اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا مہمل ردیف اختیار کی ھے۔ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یہ سن کر خاموش ہو رھے۔ ایک روز ملا ظہوری کے کلام میں ایک شعر اُن کی نظر پڑ گیا،

۱ - کلیات غالب : ۵۵۴ و کلیات نثر، پنج آہنگ : ۳۲۔

26
579
Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

جس کے آخر میں لفظ «کہ چہ» یعنی چہ کے معنی میں آیا تھا۔ وہ کتاب لے کر دوڑے ہوے اُستاد کے پاس گئے اور وہ شعر دکھایا۔ شیخ معظم اُس کو دیکھ کر حیران ہوگئے اور مرزا سے کہا کہ تم کو فارسی زبان سے خدا داد مناسبت ہے، تم ضرور فکرِ شعر کیا کرو اور کسی کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کرو۔[1]

مزید برآں نسخۂ عرشی زادہ میں فارسی کی ۱۳ رباعیاں موجود ہیں، اور بھوپال کے قلمی دیوانِ اردو کا آغاز ایک فارسی قصیدے سے ہوا ہے۔ چونکہ اردو کہنے وقت بھی گویا وہ فارسی ہی میں سوچتے اور لکھتے تھے، اس لیے اُنھوں نے مذکورہ عمر کو پہنچ کر، اس اختلافِ ذوق کی رہنمائی میں، شاہدِ سخن کے چہرے سے اردو زبان کا رسمی پردہ بھی اُٹھا دیا، اور یکسر فارسی میں کہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے فارسی کلام میں بیدل وغیرہ کے اثرات کم نظر آتے ہیں۔

نواب شمس الامرا کے محولۂ بالا خط میں جو تقریباً سنہ ۱۸۵۲ع میں لکھا گیا تھا، میرزا صاحب نے دعوا کیا ہے کہ «کما بیش سی سال ست کہ اندیشہ پارسی سگال ست»۔ اس بنا پر اُن کی باقاعدہ فارسی گوئی کا آغاز ۱۸۲۲ع (۱۲۳۸ھ) میں تسلیم کرنا پڑے گا، جسے پچھلی بحث میں ریختہ گوئی کے دور کا خاتمہ ثابت کیا جا چکا ہے۔

تدوینِ اشعار

میرزا صاحب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ «میرا کلام، کیا نظم، کیا نثر، کیا اردو، کیا فارسی، کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا»[2]۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابتدا میں خود اُنھوں نے اپنا کلام جمع کیا تھا، اور اُنھیں کے مسودات سے «دیوانِ ریختہ» مرتب ہوا، اور اُنھیں سے «گلِ رعنا» کی ترتیب عمل میں آئی۔

اردو کلام کو ردیف وار مرتب اور نقل کرنے کا کام خود میرزا صاحب کے ہاتھوں ۱۴ رجب سنہ ۱۲۳۱ھ (۱۱جون ۱۸۱۶ع) کو تمام ہو چکا تھا، جو نسخۂ عرشی زادہ کی تاریخِ کتابت ہے۔ آیندہ اُنھوں نے اپنے کلام میں کمی بیشی کا سلسلہ جاری رکھا تا آں کہ متداول دیوان وجود میں آیا۔ فارسی نظم کا کچھ حصہ «گلِ رعنا» کی شکل میں کلکتے کے سفر میں مرتب ہوچکا تھا۔

۱ - یادگار غالب : ۱۰۷ -

۲ - اردوے معلی : ۱۳۷ -

Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مگر مکمل دیوانِ فارسی، دیباچۂ دیوانِ اردو کے بیان کے مطابق، اس سفر تک غیر مرتب مسودے کی شکل میں تھا۔

پنج آہنگ کے دیباچے میں علی بخش خاں لکھتے ہیں[1]:

«در آغازِ سالِ یکہزار و دو صد و پنجاہ و یک ہجری شمس الدین خان را بقضای آسمانی آن پیش آمد کہ ہیچ آفریدہ مبیناد! و آن خود از غایتِ شہرت بشرح احتیاج ندارد۔ و بعد آن ہنگامہ ہمدران ہنگام از جے پور بدہلی رسیدم، و بکاشانۂ برادرِ والاشان و آموزگارِ مہربان، مولانا غالب، زاد افضالہ، فرود آمدم۔ چون دران ایام دیوانِ فیض عنوان کہ مسمی بہ «میخانۂ آرزو سر انجام» است، تازہ فراہم آمدہ و پیرایۂ اتمام پوشیدہ بود...»۔

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ع) کے قریب دیوانِ فارسی مرتب ہوا تھا۔ لیکن بانکی پور کے قلمی نسخے میں، جس کی تاریخِ کتابت ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ ہے، خود میرزا صاحب نے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) کو سالِ اختتام بتایا ہے، نیز ایک اطلاع کے مطابق کتابخانۂ انجمن ترقی اردو پاکستان میں ۱۲۵۳ھ کا مکتوبہ نسخہ موجود ہے، اس لیے اتمامِ کلیات کا سال یہی قرار پائے گا۔

بہر حال اردو اور فارسی کلام کی جمع و ترتیب کا ابتدائی کام خود میرزا صاحب کے ہاتھوں انجام کو پہنچا، اور اُنھیں اپنے کلام کی اشاعت کے لیے دوسروں سے مسودے یا مبیضے مانگنا نہیں پڑے۔ لیکن جب افکار و آلام کی کشمکش اور ناقدردانیِ ابنائے زماں کی گیرودار نے اُنھیں پیہم شکستہ خاطر کیا، تو یہ کام نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر اور حسین مرزا وغیرہ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

دیوان اردو : نسخۂ عرشی زادہ

جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، میرزا صاحب نے اپنا ردیف وار اردو دیوان ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ع) میں صاف کیا تھا۔ نظر بظاہر اس کی اصل وہ بیاض تھی جس میں بترتیبِ نظم اشعار لکھے گئے تھے۔ یہ بات ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ میرزا صاحب نے ۱۲۳۱ھ سے قبل کے کہے ہوئے متعدد شعر اس میں شامل نہیں کیے تھے۔ چنانچہ «یادگارِ نالہ» کے وہ قدیم

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ۲۔

28
579
Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

شعر جو عمدۂ منتخبہ وغیرہ قدیم ماخذوں سے نقل کیے گئے ہیں، اسی ذیل میں آتے ہیں۔

دیوان اردو : نسخۂ کلکتہ

نسخۂ عرشی زادہ کے بعد میرزا صاحب نے دیوانِ اردو کا ایک اور نسخہ حذف و اضافہ تیار کیا تھا، جسے اُنھوں نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں «دیوانِ دوم» کہا ہے۔ یہ نسخہ اُنھوں نے اپنے نام سے متعلق ایک اعتراض کے جواب میں عدالتِ کلکتہ کے سامنے بطورِ شہادت پیش کیا تھا لیکن یہ ہنوز پردۂ خفا میں مستور اور دریافت طلب ہے۔[1]

دیوان اردو : نسخۂ بھوپال

بعد ازاں بگمانِ غالب نسخۂ کلکتہ کی بنیاد پر اُنھوں نے ایک اور نسخہ تیار کیا جو صفر ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) میں حافظ معین الدین کے قلم سے نقل ہو کر تمام ہوا اور آج نسخۂ بھوپال کے نام سے معروف ہے۔ قرائن یہ ہیں کہ اس کی تیاری کے وقت بھی اُنھوں نے کچھ کلام کو نظری قرار دے کر لائقِ شمولیت نہیں جانا تھا۔

دیوان اردو : نسخۂ شیرانی

پچھلے نسخوں کی طرح نسخۂ بھوپال کے اشعار کا بھی بڑا حصہ پیچیدہ خیالی مضامین اور مغلق تشبیہ و استعارہ پر مشتمل تھا «جاہل اسے سن کر ملول ہوتے» اور اکثر اشعار کو مہمل اور بے معنی کہہ دیا کرتے تھے۔ «سخنورانِ کامل کی طرف سے بھی آسان کہنے کی فرمائش ہوتی تھی»۔ میرزا صاحب کو ستایش کی تمنا اور صلے کی پروا نہ تھی، اس لیے وہ عرصے تک ان اعتراضوں سے بے پروا رہے۔ لیکن جوں جوں فارسی کے اعلیٰ شاعروں کا کلام نظر سے گزرتا گیا اور اُن کی ادبی استعداد میں جلا ہوتی گئی، اُنھیں بھی اپنے کلام کے لفظی و معنوی عیوب نظر آنے لگے، اور وہ کلامِ ریختہ کی تہذیب و تنقیح کی طرف متوجہ ہوگئے۔ چنانچہ بہت سی غزلیں «غلط» قرار دیں، فقرے، مصرعے اور شعر بھی بدلے اور آسان و دل نشین انداز کی

۱۔ ملاحظہ ہوں: مباحث نسخۂ عرشی زادہ و غالب کا دریافت طلب مخطوطۂ دیوان اردو۔ نسخۂ کلکتہ از عرشی زادہ، ماہنامہ تحریک دہلی بابت ستمبر ۱۹۶۹ع۔

29
579
Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

غزلیں بھی کہیں۔

تہذیب و تنقیح کا یہ کام صفر ۱۲۳۷ھ (اکتوبر ۱۸۲۱ع) کے بعد شروع ہوا اور سفر کلکتہ سے پہلے شوال ۱۲۴۲ھ (اپریل ۱۸۲۶ع) میں ختم ہوگیا۔

اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیوں اور بین السطور میں ترمیمیں اور اصلاحیں بھی ہیں اور نئے شعر اور غزلیں بھی۔ نیز ردیف الیاء کی متعدد غزلیں آخر میں بھی تحریر کردی گئی ہیں۔ ظاہر ہے اصلاح و اضافے کا کام اس تاریخِ کتابت کے بعد ہی شروع کیا جاسکتا تھا، ورنہ وہ سب کچھ بجائے حاشیوں کے متن میں مندرج ہوتا۔

نیز پروفیسر محمود خاں شیرانی مرحوم کے پاس دیوان کا وہ مخطوطہ مدت ہوئی دستیاب ہو چکا ہے، جو بھوپال کے نسخے کا مبیضہ تھا۔ اس کے متن کے مندرجات بالکل بھوپالی نسخے کی ترمیموں کے مطابق ہیں، لیکن حاشیوں پر بعد کی کہی ہوئی غزلیں بھی درج ہیں۔ ان میں سے دو میرزا صاحب نے "باندہ" (بندیل کھنڈ) سے بھیجی تھیں، جو سفرِ کلکتہ کی ایک منزل تھی۔ ظاہر ہے کہ نسخۂ شیرانی سفرِ کلکتہ سے پہلے ہی مرتب نہ ہوگیا ہوتا، تو اُس کے حاشیوں پر سفر کے دوران کہی گئی غزلیں کس طرح مندرج ہوسکتی تھیں۔

پہلا انتخاب : گلِ رعنا

قیامِ کلکتہ میں مولوی سراج الدین احمد سے میرزا کی دوستی ہوگئی اور اُنھوں نے فرمایش کر کے اردو اور فارسی غزلوں کا ایک اور انتخاب مرتب کرایا، جو "گلِ رعنا" کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے حصۂ فارسی میں ایک قصیدہ، دو قطعے، ایک مثنوی اور ستائیس منتخب غزلیں درج کی ہیں۔ لیکن ریختہ میں صرف غزلوں کا انتخاب ہے، جن میں سے دو چار مکمل غزلیں اور باقی کے اچھے اچھے شعر چنے گئے ہیں۔ اس کا ایک ناقص نسخہ مولانا حسرت موہانی مرحوم کو ملا تھا، جس میں سے کچھ غیر مشہور شعر اُنھوں نے اپنی شرح کے آخر میں چھاپ بھی دیے تھے۔ سوءِ اتفاق سے وہ بھی اہلِ ذوق کی دسترس سے باہر ہوگیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی کہ دس بارہ سال قبل مالک رام صاحب کو جناب سید نقی بلگرامی (دہلی) نے اُس کا مکمل نسخہ تحفے میں دیا، جس سے معلوم ہوا کہ اردو منتخب اشعار کی تعداد ۴۵۵ ہے،

30
579
Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اور ان میں نسخۂ شیرانی کی اکثر بے مزہ غزلوں کا کوئی ایک شعر بھی موجود نہیں۔ اس سے بھی زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ ۱۹۶۹ع میں گلِ رعنا کا وہ مخطوطہ بھی دریافت ہوگیا جو مرزا صاحب نے اپنے قلم سے تمام و کمال نقل کر کے تیار کیا تھا۔ اس نسخے سے جو جناب خواجہ محمد حسن (لاہور) کی ملکیت ہے پہلی بار تاریخِ انتخاب غرۂ ربیع الاول ۱۲۴۴ھ (۱۲ دسمبر ۱۸۲۸ع) معلوم ہوئی ہے[1]۔

دوسرا انتخاب: متداول دیوان

کلکتے سے واپس آنے کے بعد مرزا صاحب نے اپنے اُس نسخۂ دیوان پر نظر ثانی کی جو نسخۂ شیرانی کا ہمزاد تھا اور ابھی تک دریافت طلب ہے اور مختصر سا دیوان مرتب کر لیا۔ اس سلسلے میں نواب شمس الامرا کو لکھتے ہیں[2]:

«تا پارسی زبان ذوقِ سخن یافت، ازان وادی عنانِ اندیشہ برتافت۔ دیوانِ مختصری از ریختہ فراہم آورد و آن را گلدستۂ طاقِ نسیان کرد»۔

مولوی عبدالرزاق شاکر کو ایک اردو خط میں تحریر کیا ہے[3]:

«آخر جب تمیز آئی، تو اُس دیوان کو دور کیا، اوراق بک قلم چاک کیے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوانِ حال میں رہنے دیے»۔

اس دیوانِ حال کے قدیم ترین مخطوطۂ رامپور کے اشعار کا مقابلہ «گلِ رعنا» کے حصۂ اردو سے کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ گلِ رعنا کے ۴۵۵ اشعار میں سے تقریباً ۴۰ شعر گرائے گئے، اور سابق غزلوں کے مزید شعر چن کر نیز نئی غزلوں کے کل شعر ایزاد کر کے غزلوں کے اشعار کو ۹۷۸ کردیا گیا تھا[4]۔

کس نے انتخاب کیا؟

مولانا آزاد دہلوی کا بیان ہے کہ مولوی فضلِ حق خیرآبادی اور میرزا خانی، کوتوالِ دہلی،

۱۔ مکتوب جناب سید معین الرحمان (لاہور) بنام عرشی زادہ۔ نیز ملاحظہ ہو «گل رعنا بخط غالب» از عرشی زادہ، ہماری زبان، علی گڑھ، بابت یکم ستمبر و ۲۲ ستمبر ۱۹۷۰ع۔ ۲۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۱۔ ۳۔ عود ہندی: ۱۵۹۔ ۴۔ نسخۂ رام پور قدیم اور نسخۂ بدایوں میں «کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا» غزل کے چار شعر متن میں نہیں ہیں، نیز نسخۂ رامپور قدیم سے کچھ اور شعر بھی ندارد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب دیوان متداول میں منسوخ شعر بھی شامل کرتے رہے ہیں۔

31
579
Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

نے میرزا غالب کے دیوانِ ریختہ کا انتخاب کیا ہے[1]۔ لیکن اولاً تو نسخۂ عرشی زادہ، نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی، گلِ رعنا اور نسخۂ رام پور قدیم کا مطالعہ اس کی توثیق نہیں کرتا۔ دوسرے خود میرزا صاحب نے اس انتخاب کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ دیوان ریختہ کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

«همانا، نگارندهٔ این نـامه را آن در سر است که پس از انتخـابِ دیوانِ ریخته بگرد آوردنِ سرمایهٔ دیوانِ فارسی برخیزد»۔

نواب شمس الامرا اور شاکر کے محولۂ بالا خطوط میں بھی یہی لکھا ہے۔ میرزا صاحب، علامۂ خیرآبادی کے علم و فضل اور بلند پایہ ذوقِ سخن سنجی کے بے حد معترف تھے۔ چنانچہ جب اُنھوں نے عرفیِ شیرازی کے قصیدے: «ای متاعِ درد در بازارِ جان انداخته» کا جواب لکھا، تو اُس کی ایك نقل مولانا کے ملاحظے کے لیے بھی بھیجی اور لکھا[2]:

«درین روز ها. هوای آن در سر افتاد که بیتی چند در توحید، مجیباً لعرفی، گفته آید۔ چون کوششِ اندیشه بجائی رسید که نه عرفی را محل ماند، و نه مرا جای، ناگزیر آن ابیـات را بر کسی عرضه میدارم که چون منی صد، و چون عرفی صد هزار را بسخن پرورش تواند کرد، و پایهٔ هریك بهریك تواند نمود»۔

منتخب دیوانِ ریختہ کا محولہ دیباچہ، علامۂ خیرآبادی کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔ اگر وہ اس مجموعے کے منتخب ہوتے، تو ناممکن تھا کہ میرزا غالب اپنے علامۂ دھر و فریدِ عصر مخلص دوست کے نام کو چھپا جاتے، بلکہ اس کے برخلاف، علامہ جیسی شخصیت کا نام تحریر کرکے انتخاب کی برتری و پاکیزگی پر مہرِ توثیق ثبت کرتے۔

مزید برآں شیفتہ نے گلشنِ بیخار میں لکھا ہے[3]:

«دیوانش را، بعدِ تکمیل و ترتیب دگر نگریست۔ فراوان ابیات از آن حذف و ساقط کرده، قدرِ قلیلی انتخاب زده»۔

یہ تذکرہ میرزا صاحب کی نظر سے گزر چکا تھا، اور اُنھوں نے نہ صرف اُس کی تقریظ لکھی تھی، بلکہ اُس کی بعض کوتاہیوں کی طرف مرتب کی توجہ بھی منعطف کی تھی[4]۔ اگر

۱۔ آب حیات: ٤٨٤۔ ۲۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۲۔ ۳۔ گلشن بیخار: ۱۸۶، طبع دھلی سنہ ۱۸۳۷ع۔
٤۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۵۰ و ۵۲۔

32
579
Scanned with CamScanner

8:37
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

میرزا صاحب اپنے کلام کے خود منتخب نہوتے، تو شیفتہ کیوں لکھتے، اور بفرضِ محال وہ سنی سنائی لکھ بھی دیتے، تو میرزا صاحب اُس پر نکتہ چینی کیوں نہ کرتے۔

معیارِ انتخاب

یہ حقیقت پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ میرزا صاحب ابتدائے فکرِ سخن میں اسیر (۱۰۴۵ھ) شوکت بخاری (۱۱۰۷ھ) اور میرزا بیدل (۱۱۳۳ھ) کی طرز پر ریختہ لکھتے تھے۔ ایک غزل کا مقطع ہے[1]:

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا　　اسد اللہ خاں قیامت ہے

ان بزرگوں نے تخیل در تخیل کے باغ لگائے ہیں، اورخیالی دنیا میں فلک بوس ہوائی محل تعمیر کیے ہیں۔ میرزا صاحب نے بھی عرصے تک ان کے اتباع میں مضامینِ خیالی لکھے، اور نزاکتِ تخیل کو ناقابلِ قبول حد تک پہنچا دیا۔ مگر رفتہ رفتہ ظہوری، عرفی، نظیری وغیرہم کا رنگ دماغ پر چڑھا، اور وہ اپنے فارسی کلام میں پیراہروی سے پرہیز کرنے لگے۔ اس اصلاحی تغیرِ ذوق کا اثر ریختہ پر بھی پڑا۔ پہلے اُنھوں نے مصرعوں میں تغیر و تبدل اور ترمیم و اصلاح شروع کی اور آخر میں مجبور ہوے کہ اپنے سارے کلامِ اردو کا مکمل جائزہ لیں۔ موجودہ دیوانِ اردو اسی جائزۂ ادبی کا نتیجہ ہے۔

شمس الامرا اور شاکر کے نام میرزا صاحب کے خطوں سے یہ قیاس کرنا بجا ہے کہ دیوانِ ریختہ کے متداول انتخاب کے وقت میرزا صاحب نے سادگی کو معیار قرار دیا تھا۔ اور اس کے جو شعر لفظی و معنوی گنجلک یا اغلاق رکھتے ہیں، وہ گویا بطورِ نمونہ شامل کرلیے تھے۔

مقدارِ انتخاب

نواب شمس الامرا کے نام کے خط میں میرزا صاحب نے ظاہر کیا ہے کہ پہلا دیوان «طاقِ نسیاں» پر رکھ دیا گیا، اور شاکر کو لکھا ہے کہ اُس کے اوراق یک قلم چاک کر کے صرف دس، پندرہ شعر نمونے کے لیے دیوانِ حال میں رہنے دیے۔ لیکن فی الحقیقت یہ مبالغہ

---

۱ - عود: ۱۵۹۔

33
579
Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ہے۔ اس لیے کہ نسخۂ شیرانی کے متن کی غزلوں میں سے بڑی تعداد موجودہ دیوان میں پائی جاتی ہے۔ اس سے قطعِ نظر، میرزا صاحب نے قدیم دیوان کے تین قصیدوں میں سے دو انتخاب میں شامل کر لیے ہیں۔ اُن کے اشعار کی تعداد ۱۷۷ تھی۔ اس میں سے ۵۱ شعر آج بھی منتخب دیوان کے اندر موجود ہیں۔

یہ کھلا ثبوت ہے اس امر کا کہ منتخب اشعار کی واقعی تعداد دس پندرہ سے کہیں زیادہ تھی، اور دیوان کا طاقِ نسیاں پر رکھ دینا، یا اُس کے اوراق کا یک قلم چاک کر دینا صرف مبالغہ ہے۔

اس انتخاب کے اشعار کی واقعی تعداد کا تعین دشوار ہے، کیونکہ میرزا صاحب کا اپنا مخطوطہ پیشِ نظر نہیں۔ لیکن رام پور کے قدیم ترین مخطوطے کے اشعار کی تعداد ۱۰۶۷ ہے، اور نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نے سنہ ۱۲۵۴ھ میں جو تقریظ لکھی تھی، اُس میں ۱۰۷۰ سے کچھ اوپر تعداد بتائی تھی۔ لہٰذا متداول انتخاب کے اشعار کی ابتدائی تعداد ۱۰۶۷ کے لگ بھگ ہونا چاہیے۔

تاریخ و مقام انتخاب

خواجہ حالی کے ارشاد کے مطابق[1]، میرزا صاحب نے حکیم احسن اللہ خاں بہادر کو کلکتے سے لکھ کر بھیجا تھا[2]:

«من و ایمانِ من۔ کہ بگرد آوردنِ نثرِ پراگندہ نہ پرداختہ، و خود را درین کشاکش نینداختہ ام۔۔۔۔ سطری چند کہ بدیباچگیِ دیوانِ ریختہ کسوتِ حرف و رقم پوشیدہ، و دودِ سودائے کہ بآرایشِ سفینۂ موسوم بہ «گلِ رعنا» از سویدا جوشیدہ است، ارمغان می فرستم و از شرم تنک مایگی آب می گردم»۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دیوانِ متداول کے ساتھ جو دیباچہ ہے، وہ کالکے میں لکھا گیا تھا۔ میرزا صاحب ۴ شعبان ۱۲۴۳ھ (۱۹ فروری ۱۸۲۸ع) کو کلکتے پہنچے اور ۶ جمادی الثانیہ ۱۲۴۵ھ (۲۸ نومبر ۱۸۲۹ع) کو دہلی واپس آئے تھے۔ اس حساب سے دیباچے کو مذکورۂ بالا

۱۔ یادگار غالب: ۳۸۵۔
۲۔ کلیات نثر، بنج آہنگ: ۵۲۔

Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تاریخوں سے پہلے اور کارِ انتخاب کو اس سے بھی قبل انجام کو پہنچ جانا چاہیے۔ لیکن مولانا نظامی بدایونی کو منشی احمد علی شوق قدوائی سے دیوانِ غالب کا ایک ایسا مخطوطہ ملا تھا، جس میں دیباچے کی تاریخ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۸ھ درج تھی[1]۔

ابھی تحریر ہو چکا ہے کہ میرزا صاحب نے سفرِ کلکتہ سے پہلے نسخۂ بھوپال میں ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کیا تھا، اور اُس کے بہت سے اشعار ہی نہیں بلکہ پوری پوری غزلیں غلط اور خارج قرار دے کر ایک نیا نسخہ تیار کرایا تھا۔ یہ وہی مرتبہ نسخہ ہے جس کی ایک نقل «نسخۂ شیرانی» کے نام سے موسوم ہے۔ دیباچے کے مندرجات میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو «متداول انتخاب» کے ساتھ مخصوص ہو اور «نسخۂ شیرانی» میں نہ پائی جاتی ہو۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ دیباچہ اولاً نسخۂ شیرانی یا اُس کے ہمزاد نسخے کے لیے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، لکھا گیا تھا اور کلکتے ہی میں لکھا گیا تھا۔ جب دہلی میں متداول انتخاب عمل میں آیا، تو اُس پر بھی اس دیباچے کے مندرجات صادق آتے ہیں، اس لیے میرزا صاحب نے اس میں کوئی تبدّل و تغیّر نہ کیا، صرف تاریخ بدل دی، یا اُس میں تاریخ نہ تھی تو اُس کا اضافہ کر دیا۔

اس حقیقت کے سمجھنے میں کہ دیوانِ متداول کی ترتیب زمانۂ قیامِ کلکتہ سے تعلق نہیں رکھتی، گلِ رعنا کے مطالعے سے بھی مدد ملتی ہے۔ مثلاً گلِ رعنا میں ایسے متعدد پُرانے شعر پائے جاتے ہیں جو متداول دیوان میں نہیں۔ اگر گلِ رعنا کی بنیاد یہ دیوان ہوتا، تو چاہیے تھا کہ معاملہ برعکس ہوتا، یعنی دیوانِ متداول میں ایسے شعر پائے جاتے جو گلِ رعنا میں نہ ہوتے۔ مثلاً چند شعر پیش کرتا ہوں:

کس قدر خاک ہوا ہے دلِ مجنوں، یارب — نقشِ ہر ذرہ سویدائے بیاباں نکلا
شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری دل بیتاب تھا — شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا
واں ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا، اسد — ناخنِ غم یاں سرِ تارِ نفس مضراب تھا
ہم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں جوں شمع — شعلۂ عشق کو اپنا سروساماں سمجھا
اے وائے غفلتِ نگہِ شوق، ورنہ یاں — ہر پارہ سنگ، لختِ دلِ کوہِ طور تھا

۱ - غالب (عبداللطیف) اردو ترجمہ : ۱۳۵ -

35
579
Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل نا آشنا

مندرجۂ بالا شعر گلِ رعنا میں ہیں اور متداول دیوان میں نہیں۔

دیوانِ قدیم کی کچھ غزلیں ایسی ہیں جن کا کوئی ایک شعر بھی متداول میں نہیں لیا گیا، مگر گلِ رعنا میں اُن کے اشعار موجود ہیں۔ اگر متداول دیوان مقدّم اور گلِ رعنا موخّر ہوتا، تو معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا۔ مثال کے طور پر یہ اشعار پیش ہیں:

برہنِ شرم ہے با وصفِ شوخی اہتمام اُس کا
نگیں میں جُوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا
مسی آلودہ ہے مہرِ نوازشنامہ، ظاہر ہے
کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا
بامیدِ نگاہِ خاص ہوں، محمل کشِ حسرت
مبادا ہو عناں گیرِ تغافل لطفِ عام اُس کا

وحشتِ نالہ بوا ماندگیِ وحشت ہے — جرسِ قافلہ یاں دل ہے گرانباروں کا
پھر وہ سوئے چمن آتا ہے، خدا خیر کرے — رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا
جلوہ مایوس نہیں دل نگرانی، غافل — چشمِ اُمید ہے روزن تری دیواروں کا

قیس بھاگا شہر سے شرمندہ ہوکر سوئے دشت
بن گیا تقلید سے میری یہ سودائی عبث

کون آیا جو چمن بیتابِ استقبال ہے — جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ
آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ — ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیِ بازارِ باغ

یہ سب شعر ایسی غزلوں کے ہیں جن کا کوئی ایک شعر بھی دیوانِ متداول میں نہیں۔ اگر گلِ رعنا کو دیوانِ متداول سے انتخاب کیا گیا ہوتا، تو کیا گلِ رعنا میں وہ شعر آسکتے تھے جو اُس کی اصل میں نہ ہوتے؟

بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کا متنِ گلِ رعنا میں دیوانِ متداول سے مختلف ہے۔ مثلاً:

(۱) تھی نو آموزِ فنا ہمّتِ دُشوار پسند — سخت مُشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اس کا مصرعِ اوّل گلِ رعنا میں یوں ہے:

ہے نو آموزِ فنا ہمّتِ دُشواریِ شوق

(۲) شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

گلِ رعنا میں پہلا مصرع یوں تھا:

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرہ از بس آب تھا

(۳) جانا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوے
ہوں شمعِ کشتہ، در خورِ محفل نہیں رہا

گلِ رعنا میں دوسرے مصرع کا پہلا لفظ ہے «جوں»۔

(٤) بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا، مگر اسدؔ
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

گلِ رعنا میں پہلا مصرع یوں ہے:

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا ہوں، پر اسدؔ

(٥) کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خونِ دل، بے منّتِ کیموس تھا

گلِ رعنا میں ہے:

پوچھ مت بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں

«اختلافِ نسخ» کے تحت اور بہت سی مثالیں موجود ہیں جنھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان مواقع پر گلِ رعنا اور دیوانِ متداول کا اختلاف کیوں ہے؟ اس کا ایک جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ دیوانِ متداول میں سے گلِ رعنا کا حصّۂ اردو انتخاب کرتے وقت میرزا صاحب نے اپنے اشعار میں اصلاح کر دی تھی۔ بالفاظِ دیگر گلِ رعنا کا متن متاخر اور اصلاحی ہے اور دیوانِ متداول کا متقدم اور متروک۔ لیکن ایسا کہنا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ ان

37
579
Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

جگہوں پر گلِ رعنا کا متن نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے۔ لہٰذا نسخۂ شیرانی ہی پر گلِ رعنا کی بنا ہونا چاہیے، دیوانِ متداول پر نہیں۔ اور اس صورت میں دیوانِ متداول کی ترتیب گلِ رعنا کے بعد عمل میں آنا چاہیے نہ کہ اُس سے پہلے۔

اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد کہ دیوانِ متداول کی ترتیب گلِ رعنا کے بعد عمل میں آئی اور زمانۂ قیامِ کلکتہ سے اس کا علاقہ نہیں، یہ مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ یہ کام کب اور کہاں کیا گیا۔ چونکہ دیوان کے ایک نسخے میں ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۸ھ موجود ہے، اور کوئی اور تاریخ دیوان یا کسی اور کتاب میں مذکور نہیں، اس لیے اس نصِ جلی کو قیاس کے زور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ اُس زمانے میں میرزا صاحب کا قیام دہلی میں تھا، اس لیے یہ انتخاب بھی دہلی ہی میں ہونا چاہیے۔

آخری انتخاب

جیسا کہ آیندہ بتفصیل معلوم ہوگا، میرزا صاحب آخرِ عمر میں شعر و سخن سے بیزار ہوگئے تھے، اور اُنھیں ہر وقت کافور و کفن کی پڑی رہتی تھی۔ ایسی حالت میں کون اُمید کر سکتا تھا کہ وہ اپنے کلام پر نظر ڈال کر آنے والی نسلوں کے لیے ایک آخری انتخاب چھوڑ جائیں گے۔ سنہ ۱۸۶۵ع کے وسط میں نواب کلبِ علی خاں والیِ رام پور نے فارسی و اردو کے اساتذہ کے منتخب اشعار کی ایک بیاض ترتیب دینے کا ارادہ فرمایا۔ میرزا صاحب کو اس سلسلے میں ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ع کو سرکار کی طرف سے لکھا گیا[1]:

«مطلبِ دگر، جو کہ راقم کو ترتیب بیاضِ اشعارِ منتخبۂ اساتذۂ پارسی و اردو کی منظور ہے، اس لیے حوالۂ خامۂ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ آپ انتخابِ دیوانِ فارسی اور اردو اپنے کا فرما کر مع انتخابِ کلام ضیاء الدین خاں صاحب لطف کریں، تا شاملِ انتخاب کے جو اس سرکار میں عمل میں آیا ہے، ہوجائے»۔

اس کے جواب میں ۱۰ ستمبر کو میرزا صاحب نے لکھا[2]:

«اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں

۱۔ مکاتیبِ غالب حواشی : ۱۶۵۔ ۲۔ ایضاً : مکتوب نمبر ۷۲۔

Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمامِ تحریر نذر کیا جائے گا۔

۱۷ ستمبر کو اردو دیوان نقل ہوکر آگیا، تو ۱۸ ستمبر کو اُس کے ساتھ میرزا صاحب نے لکھا[1]:

«خاطرِ اقدس میں نہ گزرے کہ غالب تعمیلِ احکام میں کاہل ہے۔ بصارت میں قصور، ہاتھ میں رعشہ، حواس مختل۔ ناچار کاتب کی تلاش کی۔ شہر سراسر ویران ہے۔ کاتب کہاں؟ بارے ایک دوست نے کاتب نشان دیا۔ اردو دیوان، اشعار پر صاد کر کے، اُس کو حوالے کیا۔ کل وہ اجزاے منقولہ آئے۔ آج بطریقِ پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیے۔ خط کاتب کا مجھ کو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیوں کر پسند آئے گا؟ اغلاط اتنے تھے کہ مجھ کو تحریر کے برابر محنت کرنا پڑی۔

فارسی کی بیاض کا شیرازہ کھول کر اجزا اُس کے احباب پر تقسیم کر دیے ہیں۔ جا بجا اشعار پر صاد کر دیے ہیں۔ وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعدِ اتمام وہ بھی پیش کروں گا»۔

اسی ماہ میں فارسی دیوان کا انتخاب بھی مرتب ہوگیا۔ ۲۴ ستمبر کو میرزا صاحب نے اُس کا پارسل رام پور روانہ کیا، تو اُس کے ساتھ لکھا[2]:

«اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں۔ یقین ہے کہ حضرت کی نظر سے گزر گیا ہو۔ آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریقِ پارسل اس عرضی کے ساتھ بھیجتا ہوں.... اس درویش نے صرف غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔ قصاید و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو، تو وہ بھی بھیجوں»۔

نواب کلبِ علی خاں بہادر نے ان دونوں کے وصول کی یکجا اطلاع ۳۰ ستمبر کو میرزا صاحب کو دے دی، اور فارسی قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب طلب نہیں فرمایا۔ یہ انتخاب میرزا صاحب کے ذوقِ شعری کا آخری نمونہ ہے اور ۱۹۴۲ میں شایع ہو چکا ہے۔

طرزِ سخن

میرزا صاحب کا اندازِ سخن اتنا صاف اور ممتاز ہے کہ جو شخص اُن کے کلام سے تھوڑا

۱۔ مکاتیب غالب: مکتوب نمبر ۷۳۔
۲۔ ایضاً: مکتوب نمبر ۷۴۔

39
579
Scanned with CamScanner

8:38
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مس بھی رکھتا ہو، وہ اُسے پہچان سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شاگرد یا دوست نے کسی اور کا شعر اُن کی طرف منسوب کیا ہے، تو میرزا صاحب کو یہ امر بہت ناگوارِ خاطر ہوا ہے۔ منشی شیو نرائن نے ایک بار اس قسم کی غلطی کی تھی۔ اُنھیں ۲۷ اپریل ۱۸۵۹ء کو لکھتے ہیں[1]:

«بھائی، حاشا ثم حاشا! اگر یہ غزل میری ہو: اسد، اور لینے کے دینے پڑے۔ اُس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو، تو مجھ پر ہزار لعنت! اس سے آگے ایک شخص نے یہ مقطع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ، آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے:

اسد، اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش، رحمت خدا کی!

میں نے یہی اُن سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو، تو مجھ پر ہزار لعنت!... تم طرزِ تحریر اور روشِ فکر پر بھی نظر نہیں کرتے۔ میرا کلام اور ایسا مزخرف»!

اسی مہینے میں جنون بریلوی نے کسی غزل کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اُنھیں ۲۹ اپریل کو لکھا ہے[2]:

«اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر سن کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ (اس کے بعد شیو نرائن کے خط کا مضمون باختلافِ الفاظ دہرایا ہے۔ بعد ازاں لکھتے ہیں) «اسد اور شیر» اور «بت اور خدا» اور «جفا اور وفا» میری طرزِ گفتار نہیں ہے»۔

میرزا صاحب کی زندگی میں اس قسم کے واقعات اور بھی پیش آئے ہیں۔ چنانچہ علائی کے خط میں اس انتساب کو «مسخِ کلام» سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے[3]:

«پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی۔ میں نے حسب الحکم غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ:

۱۔ اردوے معلی: ۳۷۰، خطوط: ۱/۳۹۵۔ ۲۔ عود: ۱۶۶، اردوے معلی: ۲۱۲، خطوط: ۱/۱۱۵۔ ۳۔ اردوے معلی: ۴۴۲، خطوط: ۱/۳۴۳۔

40
579
Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

پلا دے اوک سے، ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے، شراب تو دے

مقطع یہ:

اسدؔ، خوشی سے مرے ہاتھ پانو پھول گئے
کہا جو اُس نے، ذرا میرے پانو داب تو دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اُس مقطع اور اُس بیت الغزل کو شامل اُن اشعار کے کر کے غزل بنالی ہے، اور اُس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع اور ایک شعر میرا، اور پانچ شعر کسی اُلو کے۔ جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کردیں، تو کیا بعید ہے کہ دو شاعرِ متوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کر دیا ہو۔

چونکہ میرزا صاحب نے منشی شیو نرائن کو اپنی طرزِ گفتار اور روشِ فکر کے سمجھنے کی دعوت دی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ ہم بھی میرزا صاحب کے بیانوں کی روشنی میں اُس کے حدود متعین کریں۔

تعریف سخن

میرزا صاحب سخن کی تعریف میں فرماتے ہیں[1]:

«سخن..... گران ارز متاعِ عالمِ قدس است»۔

اس متاعِ عالمِ قدس کو قدرت نے کیا کچھ اوصاف عطا کیے ہیں، اُس کے متعلق دیباچۂ دیوانِ فارسی میں لکھتے ہیں[2]:

«سخن را دوشیزگیِ نہاد، و پاکیزگیِ گوہر، و برشتگیِ مضمون، و گداختگیِ نفس، و چاشنیِ سپاس، و نمکِ شکوہ، و نشاطِ نغمہ، و اندوہِ شیون، و روانیِ کار، و رسائیِ بار، و پردہ کشائیِ راز، و جلوہ فروشیِ نوید، و سازگاریِ آفرین، و دلخراشیِ نکوہش، و ہمواریِ صلا، و درشتیِ دور باش، و گزارشِ وعدہ، و سپارشِ پیام، و بار نامۂ بزم، و ہنگامۂ رزم حاصل»۔

۱۔ کلیات نثر، بنج آہنگ: ۹۸۔
۲۔ کلیات فارسی: ۸۔

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

سخن کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا کے ساتھ اُس کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1]:

«هر آئینه مرا آن خوشتر که زبان بستایشِ فروغِ گوهرِ سخن کشایم، تا درین پرده آهنگِ سپاسگزاریِ سخن آفرین نمایم۔

سخنست که تا روی بمن در آورد، دیرین شیوه های گفتار را بمن تازگی داد۔ سخنست که تا سروش نامم به اسد اللهی بر آورد، تخلصم را در غزل به غالب بلند آوازگی داد۔

هر چند روشنیِ من بدین نام بر دانش پرستان بدان تهیدستان ماند که بدریوزه نان جویند و خود را میر بادشاه و خواجه خسرو گویند....لیکن چون این همه نام آوری بفرتابِ سخن گستریست، این فیضِ ازلی را اگر نپزیرم، چه کنم؟ وسگی را به شیری، و بدروزی را به پیروزی اگر نگیرم، چه کنم؟

سخنست که هر گونه کالا را روانی بدوست، و هر گونه کار را شناسانی بدو۔ آنان که از ایزد نشان آرند، هم بگفتار دل از مردم برند؛ و آنان که ایزد را پرستند، هم بر فرستادگانش بسخن درود فرستند .... هیچ اندیشه جز بکالبدِ سخن در نمود تواند آمد، و هیچ خواهش جز به پیکرِ گفتار در دل فرود تواند آمد»۔

تعریف شعر

لیکن محفلِ ادب میں جس «سخن» کو بار حاصل ہے، وہ «ایك معشوقۂ پری پیکر ہے، تقطیعِ شعر اُس کا لباس اور مضامین اُس کا زیور ہے۔ دیدہ وروں نے شاہدِ سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکشِ ماہِ تمام پایا ہے»[2]۔

اس شاہد کی تعریف، اُس کے مدارجِ حسن اور اختلافِ روش اور اُس کے داخلی و خارجی اوصاف کی تاثیر کے متعلق فرماتے ہیں[3]:

«گفتارِ موزون که آن را شعر نامند، در هر دل جائی دیگر، و در هر دیده رنگی دیگر، و سخن سرایان را هر زخمه جنبشی دیگر، و هر ساز آهنگی دیگر دارد»۔

لیکن «گفتارِ موزوں» کے الفاظ میں قدرے ابہام تھا، جس سے سیکڑوں دماغ گمراہ ہو گئے

۱ ۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۳۷۰ ۔ ۲ ۔ عود: ۱۸۰ ۔ ۳ ۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۶ ۔

42
579
Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تھے، اس لیے مزید صراحت کرتے ہیں کہ[1] «شاعری معنی آفرینی ہے، قافیہ پیمائی نہیں ہے»۔

ظہوری کے متعلق حسبِ ذیل اشارے سے بھی یہی مترشح ہے کہ میرزا صاحب کے نزدیک شعر میں معنوی پہلو کو ترجیح حاصل ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

«یہ لطایفِ معنوی خاص اس بزرگ کے حصے میں آئے ہیں۔ میں جانتا ہوں، مشتری اور عطارد نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی۔ اُس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا.... قالبِ معنی کی جان ہے ظہوری، ناطقہ کی سرافرازی کا نشان ہے ظہوری»۔

اوصافِ شعر

میرزا صاحب کے حسبِ ذیل بیانات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے نزدیک شعر کے لیے کیا اوصاف درکار ہیں۔

ایک قصیدے کی تعریف میں لکھتے ہیں[3]:

«ہزار آفریں! کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے، واہ! واہ! چشمِ بد دور! تسلسلِ معنی، سلامتِ الفاظ»۔

مہر کے قصیدے کے متعلق فرماتے ہیں[4]:

«انشاء اللہ خاں کا بھی قصیدہ میں نے دیکھا ہے۔ تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے، اور اچھا سماں باندھا ہے۔ زبان پاکیزہ، مضامین اچھوتے، معانی نازک، مطالب کا بیان دلنشیں»۔

شفق کی ایک فارسی غزل کے متعلق تحریر کیا ہے[5]:

«کیا پاکیزہ زبان ہے، اور کیا طرزِ بیان!»

بیخبر کی غزل کی داد دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے[6]:

«رام پور ہی میں تھا کہ اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی۔ کیا کہنا ہے! «ابداع» اس کو کہتے ہیں۔ «جدتِ طرز» اس کا نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ نوایانِ ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا، وہ تم بروئے کار لائے ہو»۔

۱۔ خطوط:۱/۸۴۔ ۲۔ عود: ۳۹۔ ۳۔ خطوط:۱/۷۹۔ ۴۔ اردوے معلی: ۲۶۵، خطوط: ۱/۲۹۸۔
۵۔ عود: ۵۴، اردوے معلی: ۳۱۳، خطوط:۱/۱۳۲۔ ۶۔ اردوے معلی:۲۷۹۔

43
579
Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مہر کی غزل کے ایک شعر کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں[1]:

«سحر ہوگی، خبر ہوگی، اس زمین میں وہ شعر، یعنی:

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر
جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں، تو ڈرتا ہوں، نظر ہوگی

کتنا خوب ہے، اور اردو کا کیا اچھا اسلوب ہے!»

مہر کی مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں[2]:

«مثنوی پہنچی۔ جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے! انداز اچھا، بیان اچھا، روزمرہ صاف، جملوں کا استغاثہ، کیا کہوں، کیا مزہ دے رہا ہے!»

تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں[3]:

«یہ جو تم نے التزام کیا ہے ترصیع کی صنعت کا اور دولخت شعر کہنے کا، اس میں ضرور نشستِ معنی بھی ملحوظ رکھا کرو»۔

اپنی ایک غزل کے متعلق ناسخ لکھنوی کو تحریر کیا ہے[4]:

«غزلی کہ اندریں روزہا بتازگی در روشِ تازہ گفتہ ام، بعدِ عذرخواہیِ تقصیرکوتہ قلمی بر حاشیۂ مکتوب می نگارم»۔

امیر اللہ سرور کو حیدر علی افصح کی غزل کے متعلق لکھتے ہیں[5]:

«روشی پسندیدہ و طرزی گزیدہ دارد، و ہمین است شیوۂ مکرمی شیخ امام بخش ناسخ و خواجہ حیدر علی آتش و دیگر تازہ خیالانِ لکھنؤ»۔

سرور کے ایک شعر کی ان الفاظ میں داد دیتے ہیں[6]:

«رجب علی بیگ سرور نے جو «افسانۂ عجائب» لکھا ہے، آغازِ داستان کا شعر اب بھی مجھ کو بہت مزہ دیتا ہے:

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ　　یاد رکھنا، فسانہ ہیں ہم لوگ

مصرعِ ثانی کتنا گرم ہے، اور، یاد رکھنا، فسانے کے واسطے کتنا مناسب»۔

---

۱ - عود : ۱۱۱، اردوے معلی : ۲۶۸، خطوط : ۳۰۹/۱ - ۲ - عود : ۱۱۷، اردوے معلی : ۲۵۰، خطوط : ۲۹۷/۱ -
۳ - خطوط : ۱۸/۱ - ۴ - کلیات نثر، پنج آہنگ : ۵۴ - ۵ - ایضاً : ۵۹ - ۶ - اردوے معلی : ۱۰۵، خطوط : ۳۷/۱ -

Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

نواب بانده کے اشعار پر تبصرہ کرتے ہوے فرماتے ہیں[1]:

«زہے لطفِ طبع، و حدتِ ذہن، و سلامتِ فکر و حسنِ بیان۔ ہرگاہ در آغاز چنین بودہ اند، بشرطِ دوامِ ورزش و التزامِ مشق، حقا کہ در اندک مایہ مدت عَلَمِ یکتائی خواہند افراشت»۔

جنونؔ بریلوی کو تحریر کیا ہے[2]:

«عربی میں تعقیدِ لفظی و معنوی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں تعقیدِ معنوی عیب اور تعقیدِ لفظی جائز ہے، بلکہ فصیح اور ملیح۔ ریختہ تقلید ہے فارسی کی»۔

ناسخ مرحوم کے متعلق فرماتے ہیں[3]:

«مولانا ناسخ کہ در سخن طرحِ نوی ریختۂ اوست، و در ریختہ نقشِ بدیع انگیختۂ او»۔

اُنھیں کے بارے میں یہ کہا ہے[4]:

«سبحان اللہ، سخن بروزگارِ مخدوم بپایۂ بلند رسید، و اردو را رونقِ دیگر پدید آمد»۔

نسّاخ کو لکھا ہے[5]:

«شیخ امام بخش طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے»۔

خود اپنے کلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے[6]:

«میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا، وہ جانے گا کہ جلے کے جلے مقدر چھوڑ جاتا ہوں»۔

لیکن میرزا صاحب کے نزدیک جملوں کو مقدر چھوڑنے کے لیے ضروری ہے کہ سننے والے کا ذہن حذف شدہ الفاظ کی طرف بسہولت منتقل ہوسکے، ورنہ وہ اس کو عیب شمار کرتے تھے۔ میر مہدی مجروح کو لکھا ہے[7]:

«می خواہم از خدا و نمی خواہم از خدا
دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

لف و نشرِ مرتب ہے۔ می خواہم از خدا دیدن حبیب را۔ نمی خواہم از خدا ندیدن رقیب را خوار و زار و خستہ و سوگوار»۔

معنی تو اس میں موجود ہیں، مگر بول چال ٹکسال باہر ہے۔ ایک جملے کا جملہ مقدر چھوڑ

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۱۔ ۲۔ خطوط: ۱/۱۲۶۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۳۵۔ ۴۔ ایضاً: ۵۳۔
۵۔ عود: ۱۲۵، اردوے معلی: ۲۰۴۔ ۶۔ خطوط: ۱/۲۵۔ ۷۔ ایضاً: ۱/۲۸۶۔

Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

دیا ہے، اور پھر اس بھونڈی طرح سے کہ جس کو 'المعنی فی بطن الشاعر' کہتے ہیں'۔

نساخ کے دیوان پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے[1]:

'میں دروغ گو نہیں۔ خوشامد میری خو نہیں۔ دیوانِ فیض عنوان اسمِ بامسمی ہے۔ دفترِ بیمثال اس کا نام بجا ہے۔

الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند'۔

عیوب شعر

محاسنِ شعر کے ساتھ عیوبِ شعر پر میرزا صاحب کا نقطۂ نگاہ دریافت کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہوگا۔ جیسا کہ کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے، وہ ابتدا میں، بیدل کی پیروی میں، کوشش کر کے ایسا خیال نظم کرتے تھے، جو عام دماغوں کی دسترس سے باہر ہو۔ لیکن آخر میں اس سے خود بھی احتراز کرنے لگے تھے اور شاگردوں کو بھی اس سعیِ نامشکور سے باز رکھتے تھے۔ جنون بریلوی کو لکھتے ہیں[2]:

'فطرۂ مے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اس مطلع میں خیال ہے دقیق، مگر کوہ کندن و کاہ بر آوردن، یعنی، لطف زیادہ نہیں'۔

اسی طرح میرزا صاحب کو یہ بھی ناپسند تھا کہ مطلع میں تخلص باندھا جائے۔ قدر کو لکھتے ہیں[3]:

'مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ 'میر جی' اور 'میر صاحب' کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے۔ اور کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے'۔

دیوان کی پہلی غزل کے مطلع میں حروف و الفاظ کی قید کے بھی قائل نہ تھے۔ قدر ہی کو لکھا ہے[4]:

آغازِ دیوان کے شعر، یعنی مطلع، میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔ ہاں، ردیف الف کی۔ یہ امر قابلِ پرسش کے نہیں، بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو۔ یہ جو دیوان مشہور ہیں، حافظ و صائب و سلیم و کلیم، ان کے آغاز کی غزل کے مطلعے دیکھو اور حروف و

۱۔ عود: ۱۲۵ اردوے معلی: ۲۰۴۔ ۲۔ خطوط: ۱/۱۲۵۔ ۳۔ ایضاً: ۱/۱۹۳۔ ۴۔ ایضاً: ۱/۱۹۴۔

46
579
Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

الفاظ کا مقابلہ کرو۔ کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤگے، چہ جائے اتحادِ حروف و الفاظ؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

توارد کے متعلق میرزا صاحب کی رائے یہ تھی کہ اگر پس رو شاعر اپنے پیش رو سے مضمون آفرینی یا طرزِ ادا میں زیادہ لطف و خوبی پیدا کردے، تو یہ اُس کے لیے قابلِ فخر بات ہے۔ میرزا تفتہ کو لکھتے ہیں[1]:

"ایک مصرع میں تم کو محمد اسحٰق شوکت بخاری سے توارد ہوا۔ یہ بھی محلِ فخر و شرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا، وہاں تم پہنچے۔ وہ مصرع یہ ہے:

چاک گردیدم و از جیب بدامان رفتم

پہلا مصرع تمہارا، اگر اُس کے پہلے مصرع سے اچھا ہوتا، تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا"۔

خود میرزا صاحب پر کسی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ کو فلاں شاعر سے توارد ہوا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں[2]:

ہزار معنی، سرجوش خاصِ نطقِ منست
کنز اہلِ ذوق دل، و گوی از عسل بردست

ز رفتگان بیکے، گر تواردم رو داد
مدان کہ خوبیِ آرایشِ غزل بردست

مراست ننگ، ولی فخر اوست، کان بسخن
بسعیِ فکرِ رسا، جا بدان محل بردست

مبر گمانِ توارد، یقین شناس کہ دزد
متاعِ من ز نہان خانۂ ازل بردست

اس قطعے کی تہ میں بھی وہی خیالِ پنہاں ہے، جس کا اوپر کے خط میں ذکر کیا ہے، گو معترض کو جلانے کے لیے بات اُلٹ دی ہے۔

میرزا صاحب کو خواہ مخواہ کی قیود کا التزام بھی ناپسند تھا۔ تفتہ نے شاید اپنے قصائد

۱۔ خطوط: ۱/۷۹۔
۲۔ کلیات فارسی: ۱۳۔

47
579
Scanned with CamScanner

8:39
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کو حروفِ تہجی پر مرتب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اُنھیں لکھتے ہیں[1]:

«خبردار، قصاید بقیدِ حروفِ تہجی نہ جمع کرنا»۔

غالباً کچھ محقق انگریزی الفاظ نیز اُن مصطلحات کو جو سرکاری دفاتر کی پیداوار تھے یا انگریزی تہذیب و تمدن کی بدولت مروّج ہوے تھے، ٹکسال باہر جانتے تھے، اور اپنے روز مرہ میں اُن کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے۔ میرزا صاحب نے اس کے متعلق سنہ ۱۸۵۸ع میں قدر بلگرامی کو لکھا ہے[2]:

«چاپی، لغتِ انگریزی ہے۔ اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے، بلکہ مزہ دیتا ہے۔ تار بجلی، اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں۔ اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری، خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں»۔

لیکن عام طور سے میرزا صاحب انتخابِ الفاظ میں بہت محتاط تھے۔ قاضی عبدالجلیل بریلوی کو سنہ ۱۸۶۴ع میں ہدایت کی ہے کہ کایتھوں کی اردو سے بچیے۔ فرماتے ہیں[3]:

گھات میں مدعا برآری کی ہم نے غیروں کی غمگساری کی

تقدیم و تاخیرِ مصرعتین کر کے رہنے دو۔ اس میں کوئی سقم نہیں۔ 'مدعا برآری' کایتھوں کا لفظ ہے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز کرتا ہوں، مگر چونکہ من حیث المعنی یہ لفظ صحیح ہے، مضائقہ نہیں»۔

قصیدے کے اخیر میں ایسے الفاظ جو خاتمے پر دلالت کرتے ہوں، نہ لانے کو بھی میرزا صاحب عیب جانتے تھے۔چنانچہ میرزا تفتہ کو لکھا ہے[4]:

«ایک خیال رکھا کرو کہ شعرِ اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں»۔

ایطا بھی اُن کے نزدیک عیب تھا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تفتہ کو بگڑ کر لکھا ہے[5]:

حضرت، اس غزل میں 'پروانہ، و 'پیمانہ، و 'بتخانہ، تین قافیے اصلی ہیں۔ 'دیوانہ، چونکہ عَلَم قرار پا کر ایک لغتِ جداگانہ مشخص ہو گیا ہے، اس کو بھی قافیۂ اصلی سمجھ لیجیے۔

۱۔ خطوط:۱/۷۹۔ ۲۔ ایضاً : ۱/۱۸۸۔ ۳۔ ایضاً : ۱/۱۲۵۔ ٤۔ ایضاً : ۱/۹۱۔ ٥۔ ایضاً : ۱/۹۸۔

48
579
Scanned with CamScanner

8:40
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

باقی «غلامانہ، و «مستانہ، و «مردانہ، و «ترکانہ، و «دلبرانہ، و «شکرانہ، سب ناجائز و نا مستحسن؛ ایطا اور ایطا بھی قبیح .... یاد رہے، ساری غزل میں «مردانہ، یا «مستانہ، یا ان کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے، دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ یہ غزل نظری ہوگئی»۔

غزل کے اشعار کی زاید تعداد بھی پسند نہ تھی۔ فرماتے ہیں[1]:

«ایک بات اور تمہارے خیال میں رہے کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذ و نادر ہے۔ بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں ہوتی»۔

صنائع لفظی

میرزا صاحب بے مزہ لفظی صنعتوں سے بہت کم کھیلتے تھے۔ اس لیے اُن کے اشعار میں تناسبِ الفاظ یا کوئی اور صنعت نظر آتی ہے، تو میں اُسے ان کے قصد و ارادے پر محمول نہیں کرتا۔ نیز میرا خیال یہ ہے، کہ اُنھوں نے اپنے اشعار نیز دوسروں کے کلام میں صرف اُس لفظی صنعت کو پسند کیا ہے، جو معنی پر اثر انداز ہوکر پڑھنے والے کو داخلی حسن سے لطف اندوزی کا موقع دے۔ شیو نراین کے ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں[2]:

«بھائی، حاشا، ثم حاشا! اگر یہ غزل میری ہو:

اسد اور لینے کے دینے پڑے

اُس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو، تو مجھ پر ہزار لعنت!

اس سے آگے، ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ، آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے!

اسد، اس جفا پر بتوں سے وفا کی ۔۔۔ مرے شیر، شاباش، رحمت خدا کی!

میں نے یہی اُن سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو۔ تو مجھ پر لعنت!.... تم طرزِ تحریر اور روشِ فکر پر بھی نظر نہیں کرتے؟ میرا کلام اور ایسا مزخرف»!

اتفاقاً اُسی زمانے میں قاضی عبدالجلیل صاحب نے کسی غزل کے ردیف و قافیے کا حوالہ دے کر پوری غزل مانگی۔ میرزا صاحب نے شیو نراین کے نام کے ایک خط میں تین دن بعد ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۵۹ع کو مذکورۂ بالا باتیں لکھیں، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ[3]:

۱ - اردوے معلی:۳۶۸، خطوط:۱/۳۹۳ - ۲ - اردوے معلی:۳۷۰، خطوط:۱/۳۹۵ - ۳ - عود:۱۶۶، اردوے معلی:۲۱۲، خطوط:۱/۱۱۵ -

49
579
Scanned with CamScanner

8:40
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«اسد اور شیر، اور بت اور خدا، اور جفا اور وفا، یہ میری طرزِ گفتار نہیں ہے»۔ کلیاتِ فارسی کے دیباچے میں فرماتے ہیں[1]:

«نہ ترانۂ صرف و اشتقاقم بر لب است، و نہ زمزمۂ سلب و ایجابم بزبان۔ نہ خونِ صراحم بگردن ست و نہ نغشِ قاموسم بر دوش۔ نہ آبلہ پای جادۂ صنایعم، و نہ گوہر آمای رشتۂ مدایح۔ کبابِ گرمیِ آتشِ بیدودِ پارسیم، و خرابِ تلخیِ بادۂ پُر زورِ معنی»۔

لفظی صنعتوں سے پرہیز کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرزا صاحب معمّا اور تاریخ گوئی میں اچھی دستگاہ پیدا نہ کرسکے۔ معما تو شاید اُنھوں نے ایک بھی نہیں لکھا۔ البتہ تاریخیں ضرور لکھی ہیں۔ مگر وہ بھی زیادہ تر اُس زمانے کی کہی ہوئی ہیں، جب قوائے فکری میں اضمحلال پیدا نہیں ہوا تھا، اور پھر بھی تعمیہ و تخرجہ سے بہت کم خالی ہیں۔

میجر جان جا کوب کو اس کی وجہ بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

«سوگند کہ ہیچگاہ دل بفنِ تاریخ و معما نہ نہادہ ام، و صنعتِ الفاظ را بر معنی نگزیدہ»۔

سیّاح کو دوسری وجہ لکھی ہے[3]:

«میں فنِ تاریخ گوئی و معمّا سے بیگانہ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ مادّہ اوروں کا ہے، اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں؟ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے، اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا۔ جب کوئی مادّہ بناؤں گا، حساب درست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی، تو مادّۂ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لادیتے، موزوں میں کرتا»۔

اپنے دیوانے بھائی کی تاریخ کا ایک مادّہ خود نکالا تھا۔ اُس کے متعلق علائی کو لکھتے ہیں[4]:

«میاں، اس کو سب جانتے ہیں کہ میں مادّۂ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں۔ لوگوں کے مادّے دبے ہوئے نظم کردیتا ہوں۔ اور جو مادّہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں، وہ بیشتر لچر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اپنے بھائی کی رحلت کا مادّہ «دریغ دیوانہ» نکالا، پھر اُس میں سے

۱ - کلیات فارسی : ۱۱ - ۲ - دلیات نثر، پنج آہنگ : ۸۱ - ۳ - اردوے معلی : ۳۸۶ لاہور ایڈیشن -
۴ - اردوے معلی : ۴۳۴، خطوط : ۱/۳۱۹ -

50
579
Scanned with CamScanner

8:40
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«آ ھے» کے عدد گھٹائے۔

تمام دوپہر اسی فکر میں رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مادّہ ڈھونڈھا۔ تمھارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اس پر بڑھاؤں۔ بارے، ایک قطعہ درست ہوا؛ مگر تمھاری زبان سے، یعنی، گویا تم نے کہا ھے۔ پانچ شعر میں تین شعر زاید، دو موضحِ مدعا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ اچھا ھے یا برا ھے۔ ہاں، اغلاق تو البتہ ھے، تامل سے سمجھ میں آتا ھے اور شاید لوحِ مزار پر کھدوانے کے قابل ہو»۔

منشی شیو نراین نے ایک تاریخ کی فرمایش کی، تو اُس کے جواب میں فرمایا[1]:

«رات بھر میں نے فکرِ شعر میں خونِ جگر کھایا۔ اکیس شعر کا قصیدہ کہہ کر تمھارا حکم بجا لایا۔

میرے دوست، خصوصاً میرزا تفتہ جانتے ھیں کہ میں فنِ تاریخ کو نہیں جانتا۔

اس قصیدے میں ایک روشِ خاص سے اظہار سنہ ۱۸۵۸ع کا کردیا ھے۔ خدا کرے تمھاری پسند آوے۔ تم خود قدردانِ سخن ہو، اور تین اُستاد اس فن کے تمھارے یار ھیں۔ میری محنت کی داد مل جائے گی»۔

ان شاعرانہ داؤ پیچوں کو میرزا صاحب مرتبۂ شاعری سے فروتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُن کے ایک مخلص دوست منشی نبی بخش نے سنہ ۱۸۶۰ع میں انتقال کیا، تو تفتہ نے قطعۂ تاریخ کی فرمایش کی، اور ظاھر کیا کہ یہ مرحوم کا ہم پر حق ھے۔ اُس کے جواب میں لکھتے ھیں[2]:

«فنِ تاریخ کو دونِ مرتبۂ شاعری جانتا ہوں۔ اور تمھاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ھے کہ تاریخِ وفات لکھنے سے اداے حقِ محبت ہوتا ھے»۔

نواب علاؤالدین احمد خاں بہادر علائی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، تو اُنھوں نے قطعۂ تاریخِ ولادت اور تاریخی نام کی فرمایش کی۔ میرزا صاحب نے اُس کے جواب میں جو عذر تراشے ھیں، اُن سے بخوبی ظاھر ہوتا ھے کہ اس گورکھ دھندے سے اُنھیں کس درجہ طبعی بُعد تھا۔ فرماتے ھیں[3]:

«مولانا نسیمی! کیوں خفا ہوتے ہو؟ ہمیشہ سے اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے

۱- اردوے معلی: ۳۴۹، خطوط: ۱/ ۳۷۵ - ۲- اردوے معلی: ۱۱۴، خطوط: ۱/ ۷۷ - ۳- اردوے معلی: ۴۱۷، خطوط: ۱/ ۳۲۳ -

51
579
Scanned with CamScanner

8:40
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ہیں۔ اگر نیّر خلیفۂ اوّل ہے، تم خلیفۂ ثانی ہو۔ اُس کو عمر میں تم پر تقدّمِ زمانی ہے۔ جانشین دونوں، مگر ایک اوّل ہے اور ایک ثانی ہے۔

شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے۔ طریقِ صیدافگنی سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں، آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخنور ہوگئے۔ حسنِ طبعِ خدا داد رکھتے ہو۔ ولادتِ فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو؟ اسمِ تاریخی کیوں نہ نکال لو کہ مجھ پیرِ غمزدہ، دل مردہ کو تکلیف دو؟

علاؤالدین خاں، تیری جان کی قسم! میں نے پہلے لڑکے کا اسمِ تاریخی نظم کردیا تھا، اور وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوستِ طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے، پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے، وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔

نا صاحب، دہائی خدا کی! میں نہ تاریخِ ولادت کہوں گا، نہ نامِ تاریخی ڈھونڈوں گا۔

میرزا صاحب کا یہ خیال اس درجہ راسخ تھا کہ وہ قافیے سامنے رکھ کر شعر کہنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، کہ اس طرح قافیے کی پابندی کے باعث سے خواہ مخواہ الفاظ کے پھندے میں پھنسنا پڑتا ہے۔ میرزا تفتہ کو لکھتے ہیں[1]:

'کیا ہنسی آتی ہے کہ تم، مانند اور شاعروں کے، مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو کہ اُستاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا، یا اُس کے قوافی لکھ لیے اور اُن قافیوں پر لفظ جوڑنے لگے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

بچپن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں، لعنت ہے مجھ پر! اگر میں نے کوئی ریختہ یا اُس کے قوافی پیشِ نظر رکھ لیے ہوں۔ صرف بحر اور ردیف قافیہ دیکھ لیا، اور اُس زمین میں غزل، قصیدہ لکھنے لگا۔

تم کہتے ہو نظیری کا دیوان وقتِ تحریرِ قصیدہ پیشِ نظر ہوگا، اور جو اُس کے قافیے کا شعر دیکھا ہوگا، اُس پر لکھا ہوگا۔ واللہ! اگر تمھارے اس خط کے دیکھنے سے پہلے میں

۱ - خطوط:۱/۸۴ -

52
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

یہ بھی جانتا ہوں کہ اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے ۔ چہ جائے آں کہ وہ شعر»۔

اسی طرح آخرِ عمر میں میرزا صاحب اساتذہ کی اُن زمینوں میں بھی شعر کہنے سے بچنے لگے تھے، جو اپنی عمدگی و برتری میں لا جواب ہیں، اس لیے کہ اس صورت میں جواب لکھنے والے کو خواہ مخواہ کہنا پڑتا ہے اور میدانِ معنی کی راہ مسدود ہوجانے کے باعث صرف الفاظ کے اُلٹ پھیر پر مدار باقی رہ جاتا ہے ۔ علائی نے ایک غزل پر شعر کہنے کی فرمایش کی، تو فرماتے ہیں[1]:

«در بزمِ وصالِ تو بھنگامِ تماشا نظّارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد

یہ زمین قدسی،[2] علیہ الرحمہ، کے حصّے میں آ گئی ہے ۔ میں اس میں کیوں کر تخم ریزی کروں؟ اور اگر بے حیائی سے کچھ ہاتھ پانو ہلاؤں، تو اس شعر کا جواب کہاں سے لاؤں؟

ہرگز نتوان گفت درین قافیہ اشعار بیجا است، برادر اگر از من[3] گلہ دارد»

میزانِ شعر

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ میرزا صاحب کے نزدیک اچھا شعر مذکورۂ بالا اوصاف کا جامع اور عیوبِ مقررہ سے خالی ہوگا ۔ لیکن ہر شخص کے لیے دشوار ہے کہ مختلف شعرا کے کلام کو اس نقطۂ نگاہ سے جانچ سکے، اس لیے میرزا صاحب نے ایک میزانِ شعر مقرر کردی، تاکہ اُس پر فارسی و اردو کے تمام شاعروں کا کلام پرکھا جاسکے ۔ فرماتے ہیں[4]:

«میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد، حضرت صاحبِ عالم، مجھ سے آزردہ ہیں، اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا ۔ اس رقعے میں ایک میزان عرض کرتا ہوں ۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو، یعنی ہندیوں کے اشعار کو، قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک، اس میزان میں تولیں ۔ میزان یہ ہے:

(۱) رودکی و فردوسی سے لے کر خاقانی و سنائی و انوری و غیرہم تک ایک گروہ ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے ۔

---

۱ ۔ اردوے معلی:۴۲۰، خطوط:۱/۳۴۲ ۔ ۲ ۔ قاضی عبد الودود صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ شعر نصرت اللہ نصرتی عظیم آبادی کا ہے ۔ ملاحظہ ہو، مجلۂ معاصر، پٹنہ، حصۂ اول،۱۰۰ ۔ ۳ ۔ قافیہ «من» کی جگہ «مانہ» ہونا چاہیے ۔

۴ ۔ عود:۴۵، اردوے معلی:۱۴۹ ۔

53
579
Scanned with CamScanner

8:40
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

(۲) پھر حضرتِ سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ سعدی و جامی و ہلالی، یہ اشخاص متعدد نہیں۔

(۳) فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا۔ خیالہائے نازک و معانیِ بلند لایا۔ اس شیوے کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ! قالبِ سخن میں جان پڑگئی۔

(٤) اس روش کو بعد اس کے صاحبانِ طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرے میں ہیں۔

رودکی و اسدی و فردوسی، یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے، بسبب سہلِ ممتنع ہونے کے، رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا۔ اور اُس میں تیسے تیسے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہریں ہیں:

(۱) خاقانی، اُس کے اقران۔ (۲) ظہوری، اُس کے امثال۔ (۳) صائب، اُس کے نظائر۔

خالصاً للہ! ممتاز و اختر و غیرہم کا کلام، ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے؟ بے شبہہ فرماؤگے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے! خوب طرز ہے! اچھی طرز ہے! مگر فارسی نہیں ہے، ہندی ہے۔ دارالضربِ شاہی کا سکہ نہیں ہے، ٹکسال باہر ہے۔ داد، دادا! انصاف، انصاف!

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار — زیک جام اند در بزمِ سخن مست
ولی با بادۂ بعضی حریفان — خمارِ چشمِ ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعارِ این قوم — ورای شاعری، «چیزی دگر» ہست

وہ «چیزِ دگر» پارسیوں کے حصے میں آئی ہے۔ ہاں، اردو زبان میں اہلِ ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی، علیہ الرحمۃ:

بدنام ہوگے، جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

سودا:

دکھلائیے، لے جا کے تجھے، مصر کا بازار
خواہاں نہیں، لیکن، کوئی واں جنسِ گراں کا

54
579
Scanned with CamScanner

8:40
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

قایم:

قایم اور تجھ سے طلب بوسے کی، کیوں کر مانوں؟
ہے تو ناداں، مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خاں:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کم تر اور آتش کے ہاں بیش تر، یہ تیر و نشتر ہیں۔ مگر مجھے اُن کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا۔

اس طرزِ گفتار کا نام میرزا صاحب نے "شیوا بیانی" رکھا تھا، اور شیوا بیان شاعر کے لیے ان چار اوصاف کو لازم قرار دیا تھا[1]:

"سخنِ عشق و عشقِ سخن، کلامِ حُسن و حُسنِ کلام"۔

سہل ممتنع

اگر مذکورۂ بالا اوصاف کو ایک جامع و مانع لفظ سے ادا کرنا چاہیں، تو کہہ سکتے ہیں کہ شعر کی خوبی اور اُس کا حسن یہ ہے کہ "سہلِ ممتنع" ہو۔ میرزا صاحب نے بھی اسی صفت کو حسنِ بیان کی معراج قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

"سہلِ ممتنع اُس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اُس کا جواب نہ ہو سکے۔ بالجملہ سہلِ ممتنع، کمالِ حسنِ کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے۔ ممتنع، در حقیقت ممتنع النظیر ہے۔

شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں۔ اور رشیدِ وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوے کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔

خود ستائی ہوتی ہے۔ سخن فہم اگر غور کرے گا، تو فقیر کی نظم و نثر میں سہلِ ممتنع اکثر پائے گا"۔

اپنے اشعار کے متعلق میرزا صاحب کا یہ خیال اتنا پختہ ہوگیا تھا کہ وہ اُسے عام ریختہ اشعار سے الگ قسم کا کلام مانتے تھے، اور میر و میرزا کے کلام سے بھی بالاتر سمجھتے

۱۔ کلیاتِ نثر:۳۹۔　　۲۔ عود:۱۴۰۔

55
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تھے۔ چنانچہ منشی نبی بخش حقیر کو یہ غزل

سب کہاں، کچھ، لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ، پنہاں ہوگئیں!

بھیجی، تو اُس کے ساتھ یہ بھی لکھا[1]:

«بھائی، خدا کے واسطے، غزل کی داد دینا! اگر ریختہ یہ ہے، تو میر و میرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا، تو پھر یہ کیا ہے؟»

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے اشعارِ ریختہ کو سحر یا اعجاز بھی قرار دیتے تھے۔ چنانچہ انھیں حقیر کو یہ غزل:

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے　　　یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

بھیجتے ہوئے، مستفسرانہ لکھا ہے[2]:

«داد دینا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے، تو اُس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور شکل؟»

اُن کے اس استفسار کا حقیر نے کیا جواب دیا، اس کا واقعی علم نہ ہوسکا۔ لیکن اُنھیں لکھنا یہی چاہیے تھا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے گا، تو اُس کی صرف یہی ایک صورت ہوگی، دوسری ہرگز نہیں ہوسکتی۔

شرکتِ مشاعرہ

میرزا صاحب مشاعروں میں بھی شریک ہوتے اور طرح میں دادِ سخن سرائی دیا کرتے تھے۔ ان میں سے کلکتے اور دہلی کے چند مشاعروں کا تذکرہ اُن کے خطوں میں ملتا ہے۔

کلکتے کے مشاعرے

شعبان ۱۲٤۳ھ (فروری ۱۸۲۸ع) سے ربیع الاول ۱۲٤٥ھ (ستمبر ۱۸۲۹ع) تک میرزا صاحب کلکتے میں مقیم رہے۔ اُن کا یہ سفر اپنی پنشن کے سلسلے میں تھا۔ لیکن اُن کے ادبی ذوق سے لطف اُٹھانے کے لیے

۱۔ نادرات غالب : ۲٦۔
۲۔ ایضاً : ۱۲۔

56
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«یاران انجمن‌ها ساخته و بتکلیفِ شعر خوانی شمعِ ابرام افروخته۔ من از حیرت نَفَس باخته، و از خجلت چشم بر پشتِ پا دوخته»[1]۔

تاہم مولوی سراج الدین احمد نے جو کالکتے کے ان مخلص قدر دانوں کے سرگروہ تھے، میرزا صاحب کو بھی شرکتِ بزمِ سخن کے لیے راضی کرلیا۔ مدرسۂ سرکارِ کمپنی میں ہر انگریزی مہینے میں ایک بار، اتوار کے دن، مجلسِ مشاعرہ کا انعقاد طے ہوا۔ اور شعرائے کلکتہ اردو، فارسی کی غزلیں پڑھنے کے لیے جمع ہونے لگے۔ میرزا صاحب اس مجلس کے کتنے مشاعروں میں شریک ہوئے، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ اس محفل نے میرزا صاحب کے چاروں طرف ایک حلقۂ حسّاد پیدا کردیا تھا، جس نے اُن کے کلام پر قبیل و واقف کے مسلمہ قواعد و اصول کے ماتحت اعتراض کیے۔ میرزا صاحب نے مجبوراً ان بزرگوں کی ادبی کم مایگی کا اظہار کیا، اور اہلِ ایران کے کلام سے شواہد پیش کیے۔ اس سے آگ اور بھڑکی۔ میرزا صاحب نے از راہِ معذرت مثنوی «باد مخالف» لکھ کر اُسے فرو کیا۔ مگر اس ہنگامے کا اثر اُن کی زندگی بھر دماغ سے دور نہوا، اور وہ مرتے دم تک ہندیوں کی فارسی دانی کے قایل نہوسکے۔ اس ادبی ہنگامے کا تذکرہ میرزا صاحب کے الفاظ میں یہ ہے[2]:

«از نوادرِ حالات این کہ سخنوران و نکتہ رسانِ این بقعہ، پس از ورودِ خاکسار، بزمِ سخن آراستہ بودند۔ در ہر ماہِ شمسیِ انگریزی روزِ یکشنبۂ نخستین، سخن گویان در مدرسۂ سرکارِ کمپنی فراہم شدندی، و غزلہای ہندی و فارسی خواندندی۔ ناگاہ گرانمایہ مردی، کہ از ہرات بسفارت رسیدہ است، دران انجمن می رسد، و اشعارِ مرا شنودہ بآنگِ بلند می ستاید، و بر کلامِ نادرہ گویانِ این قلمرو تبسمہای زیرِ لبی می فرماید۔ چون طبایع بالذات مفتونِ خودنمائیست، ہمگنان حسد می برند، و کلانانِ انجمن و فرزانگانِ فن بر دو بیتِ من اعتراضِ نادرست برآوردہ، آنرا شہرت می دہند۔ وبی آنکہ زبان پاسخ آشنا شود، از دانشوران، کہ مخدومی و مَلاذی نواب علی اکبر خان، و مکرمی و مطاعی مولوی محمد محسن از آنانند، جوابہا می یابند، و پسِ زانوے خاموشی می نشینند»۔

دہلی کے مشاعرے

دہلی کے جن مشاعروں میں میرزا صاحب نے شرکت کی ہے، اُن میں شہر اور قلعۂ معلی

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۲۸۔ ۲۔ ایضاً: ۸۰۔

57
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

دونوں کے مشاعرے نظر آتے ہیں۔ اُن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ایک مشاعرہ جمعے کے دن ۱۷ مارچ ۱۸۴۳ع کو منعقد ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے اُس کی روداد پنجشنبہ ۲۳ مارچ کو شیفتہ کے خط میں اس طرح لکھی ہے[1]:

"روزِ آدینہ چون شب شد، بزمِ سخن آراستند۔ ازاں رو کہ غزل نگفتہ بودم، از شرمِ تہیدستی سر در پیش داشتم و رفتن بانجمن مضمونی بود کہ ہرگز بخاطر نمی گزشت۔ والا جاہ نواب ضیاءالدین خان، سلمہ اللہ تعالیٰ، دو فرشتہ برمن گماشت: زین العابدین خان عارف و غلام حسن خان نحو۔ یعنی، این ہر دو ابرام پیشہ شامگاہ بخلوتکدۂ تنہائی من آمدند و فیل آوردند. و بدانسان کہ شیر را چون شکار کنند، بر فیل بار کنند، مرا بانجمن بردند۔ دیدارِ مخدومِ معظم و صدرِ اعظم مولوی محمد صدرالدین خان بہادر تلافیِ رنجِ راہ کرد۔ باری، صرفۂ رہروان دران بود کہ مولانا محابی قدم رنجہ نفرمودہ بودند۔ غزلِ مولانا صہبائی در زمینِ طرحی دوسہ بیتِ دلنشین داشت۔

بالجملہ چون غزلخوانی سر آمد، گریبانم نمی آید. و دامانم نمی آید، در بحرِ ہزجِ مثمنِ سالم، طرح کردند۔

از یارانِ بندہ میرزا زین العابدین خان عارف و جواہر سنگھ جوہر در زمینِ طرح دو غزل خواندہ، نقشِ نغزگوئی بکرسی نشاندند۔ من بغزلی کہ ہمدران روز گفتہ بودم، زمزمہ سرای آمدم۔ غزل[2]:

صبح شد، خیز، کہ روادِ اثر بنمایم۔

اس مشاعرے کے مصرعِ طرح کا ذکر میرزا صاحب نے نہیں کیا ہے۔

(۲) دوسرا مشاعرہ جمعے کے دن (غالباً ۲۸ اپریل ۱۸۴۳ع کو) منعقد ہوا تھا۔ طرح سابق مکتوب میں بیان کی جاچکی ہے۔ اس زمین میں میرزا صاحب نے بھی غزل لکھی تھی۔ شیفتہ کو اس کی کیفیت اس طرح لکھی ہے[3]:

"دی کہ ناہید روز (یومِ جمعہ) بود، شامگاہ ببزمِ حضرتِ آزردہ بار یافتم۔ پیش ازاں کہ از مدعا سخن رانم، اثرِ رنجوری از ناصیۂ مخدوم آشکار یافتم۔ نزلہ و زکامی داشتند۔ ہمانا زندہ داشتنِ

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۵۔ ۲۔ کلیات فارسی: ۴۹۷۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۵۔

58
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

شبہا بدین روز نشانده بود۔

باالجملہ بمشاعره نخرامیدند، و رهی را دستوری دادند۔ در انجمن، ریختہ گویان بسیار گرد آمده بودند۔ غزلہای دراز خواندند۔ تا بکاشانہ آیم و پہلو بہ بستر نہم، نیمۂ از شب گزشتہ بود۔

باالجملہ در نوردِ غزلخوانی چون نوبت بمن رسید، نخست: ملك نخواست و فلك نخوامت، سرودم۔ آنگاه غزلِ طرحی خواندم۔ غزل[1]:

«چہ عیش از وعده، چون باور ز عنوانم نمی آید؟
بنوعی گفت «می آیم» کہ میدانم نمی آید

نہان مباد کہ اقبال نشان، محمد ضیاء الدین خان بہادر مصرعِ عرفی، ع:
صد سال می توان بہ تمنا گریستن

طرح فرموده اند۔ درین زمین طالبِ آملی قصیدۂ دارد و عرفی شیرازی دو غزل۔ تا غالبِ بینوا را بکدام زمزمہ در خروش آرند؟»

(۳) تیسرا مشاعرہ بھی جمعے کے دن (۲٦ مئی سنہ ۱۸٤۳ع) کو منعقد ہوا تھا۔ مصرعِ طرح پر میرزا صاحب نے پورا قصیدہ لکھا تھا، جو اُن کے کلیات میں چھپ چکا ہے[2]۔ شیفتہ کو اس کی روداد بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں[3]:

«امید گاہا،

دی آدینہ روز بود، و نویدِ بزمِ سخن سامعہ افروز۔ شامگاه ہمان دو فرخ سروش از در در آمدند، و مرا بانجمن بردند۔ و میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چون رنجور بودند، نیامدند۔ کس بخدمتِ حضرتِ آزرده فرستاده شد۔ اگرچہ دیر آمدند، اما آمدند، ودلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بنده را در زمینِ گریستن نگارشِ قصیده اتفاق افتاده بود۔ آن می سنجیدم کہ این ورق را چون براتِ نامقبول بباز برم، و ریختہ گویان را دردِ سر ندہم۔ از آمدنِ حضرتِ آزرده دل بخود بالید، و زبان بزمزمہ دستوری یافت۔ صہبائی نیز ناخوانده حاضر بود، و در زمینِ گریستن غزلی انشا کرده۔ چون قصیدۂ مرا شنود، خجل شد، و از گفتۂ خود لختی خوانده در گزشت»۔

۱۔ کلیات فارسی: ٤۲۷۔
۲۔ کلیات فارسی: ۲۰۳۔
۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۵۔

59
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

(٤) چوتھا مشاعرہ غالباً جمعے کے دن ۲۳ جون سنہ ۱۸٤۳ع کو منعقد ھوا تھا۔ اس کے لیے میرزا صاحب نے غزل لکھ لی تھی، مگر شریك نہ ھوسکے۔ شیفتہ کو تحریر کرتے ھیں[1]:

«درین مشاعرہ کہ گزشت، خاك زمین گیر من غبارِ چشمِ ریختہ گویان نگشت۔ غزلِ خود یك ھفتہ پیش از روزِ غزلخوانی گفتہ بخدمتِ حضرتِ آزردہ، دام بقاؤہ، فرستادہ ام، و سرِ آن داشتم کہ چون بنامہ کامیاب گردم، و آن را پاسخ نگار شوم، در نگارش ھمان غزل سرمایۂ من باشد»۔

اس ماھانہ مشاعرے کی جائے وقوع اور منتظمین کا صراحتاً تذکرہ مذکورہ خطوں میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن قرائن سے معلوم ھوتا ھے کہ نواب ضیاءالدین احمد خاں بہادر نیر کے زیرِ اھتمام منعقد ھوتا تھا۔ عارف و مجو وغیرہ اس کے انتظام کے ذمہدار تھے۔ ھر مہینے کا آخری جمعہ اس کے لیے مقرر تھا، اور اس میں اردو اور فارسی دونوں طرحیں دی جاتی تھیں۔

لال قلعے میں جو مشاعرے کیے گئے تھے، اُن میں سے حسبِ ذیل کا تذکرہ میرزا صاحب کے خطوں میں ملتا ھے:

(۱) پہلا مشاعرہ کسی شہزادے کے زیرِ اھتمام منعقد ھوا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے اردو غزل پڑھی تھی۔ ۱٦ ربیع‌الاول (۱۲٦٤ھ) مطابق ۲۲ فروری (۱۸٤۸ع) کو منگل کے دن منشی نبی بخش حقیر کو اس کی روداد لکھی ھے۔ فرماتے ھیں[2]:

«دوش یکی از شاھزادگانِ تمرخانیہ بزمِ سخن آراستہ بود، و سخن سنجان را بغزل خوانی خواندہ۔ مرا بگفتنِ ریختہ سری نماندہ، اگرچہ دل بسگالش نہ بستہ بودم، اما روزی کہ شب بدان انجمن ببایست رفت، خاصہ ھنگامی کہ سوارہ رہ می بریدم، بیتی چند، بیخواست، از دلِ غمزدہ سر بر زدہ»۔

(۲) دوسرا مشاعرہ شوال ۱۲٦٥ھ (اگست ۱۸٦۲ع) میں مرزا نورالدین بہادر متخلص بہ شاھی نے منعقد کیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے ردیفِ نون کی بے نظیر طرحی غزل: «سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ھوگئیں» پڑھی تھی، اور منشی نبی بخش حقیر کو اس کی نقل روانہ کرتے ھوے لکھا تھا[3]: خدا کے واسطے! غزل کی داد دینا۔ اگر ریختہ یہ ھے، تو میر و

۱۔ کلیات نثر، پنج آھنگ:۹۵۔ ۲۔ کلیات نثر، پنج آھنگ:۱۰۳۔ ۳۔ نادرات غالب:۲٦۔

60
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا. تو پھر یہ کیا ہے؟،

(۳) تیسرا مشاعرہ آخری تاجدارِ دھلی کے حکم سے جمعے کے دن ۲۵ فروری سنہ ۱۸۵۳ع کو منعقد ہوا تھا۔ میرزا صاحب اُس زمانے میں زمرۂ خدام میں منسلک تھے، اس لیے اردو میں زمزمہ سرائی کی تھی۔ مجروح کو اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ فرماتے ھیں[1]:

"نزدیکان را نشاط، و دوران را بشارت که شاه فرمان داد و حاجبِ بارگاه سخن گستران را ایوانِ نظارت نشان داد که روزِ آدینه، بست و پنجمِ فروری، بدان خجسته نشیمن بیائید و جامِ سخن بر یکدیگر بپیمائید۔ گروهی از شهزادگانِ بابریه وتنی چند از آزادگانِ شهر فراهم آمدند۔ جا بر مردم تنگی کرد۔ گوئی پیکر اندر پیکر همی خزید۔

نخست سلطان الشعرا شیخ محمد ابراهیم ذوق زخمه برتار زد، وغزلِ سلطان را بدان نوا برخواند که زهره از سپهر فرود آمد۔ سپس شاهزادهٔ یوسف دیدارِ همایون آثار میرزا خضر سلطان بهادر، غزلِ طرح بدان لحن سرود که پنداری پروین بر بساطِ بزم افشاند۔ میرزا حیدر شکوه و میرزا نورالدین و میرزا عالی بخت عالی را سازِ سخن بلند آهنگ شد۔ غالبِ آشفته نوا که بر پهلوی عالی جا داشت، ده بیت از خویشتن خواند۔

محوی نام امردی از می آشامانِ خمکدهٔ صهبائی نشیدِ مستانه زد۔ حاجی میرزا شهرت کابیش هفتاد بیت در زمینِ طرح بسامعهٔ انجمن نشینان عرضه داد۔ من به بهانهٔ آب تاختن از بزم بیرون آمدم و راهِ غمکده گرفتم۔ درِ دکانها کشوده بود و چراغها روشن۔ همانا نیمهٔ از شب نگزشته بود که بر بوریای بینوائی دورِ جامِ باده روائی داد، باده آشامیدم و خفتم۔ بامداد به ارکِ همایون روی آوردم۔ هر چهار سلطان زاده که نام نامیِ آنان بر زبانِ قلم رفت، زمزمهٔ شبانه تازه کردند۔ من نیز غزل را دوباره خواندم۔ از همدمان شنیده شد که شب در هنگامه سر آمد، و نزدیک بدمیدنِ سپیدهٔ سحر بزم برشکست۔ گویند، سلطان الشعرا پایانِ انجمن دو غزل از خویشتن سرود، اما نه در طرح"۔

(٤) چوتھا مشاعرہ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ (اپریل ۱۸۵۳ع) میں منعقد ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے رجب ۱۲۶۹ھ میں منشی نبی بخش حقیر کو لکھا ہے[2]:

۱ ۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱٤۔

۲ ۔ نادر ات غالب: ۳۵ ۔

rekhta
61
579
Scanned with CamScanner

8:41
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

میہاں بادشاہ نے قلعے میں مشاعرہ مقرر کیا ہے۔ ہر مہینے میں دو بار مشاعرہ ہوتا ہے، پندرھویں کو اور انتیسوں کو۔ حضور فارسی کا ایک مصرع اور ریختے کا ایک مصرع طرح کرتے ہیں۔

اب کے جمادی الثانی کی تیسویں کو جو مشاعرہ ہوا اُس میں مصرعِ فارسی یہ تھا: زمین تماشا گاہ گریبان میرود۔ ریختے کا مصرع یہ تھا: خمارِ عشق ہمیں کس قدر ہے۔ کیا کہیے۔ نظر ہے۔ کیا کہیے۔ خبر ہے۔ کیا کہیے"۔

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہی مشاعرہ ہر مہینے کی ۱۵ اور ۲۹ (یا ۳۰) کو قلعۂ معلی میں منعقد ہوا کرتا تھا۔

(۵) پانچواں مشاعرہ منگل کی صبح کو شعبان ۱۲۶۹ھ (مئی ۱۸۵۳ع) میں دیوانِ خاص میں کیا گیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے اپنی یہ طرحی غزل پڑھی تھی: بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے[1]۔

قاضی عبدالجلیل بریلوی کو سنہ ۱۸۵۴ع میں لکھتے ہیں[2]:

"مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگانِ تیموریہ جمع ہوکر کچھ غزل خوانی کرلیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعۂ طرحی کو کیا کیجیے گا۔ اور اُس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا؟ میں کبھی اُس محفل میں جاتا ہوں، اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے، اب ہی نہ ہو، اب کے ہو، تو آیندہ نہ ہو"۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے مشاعرے سنہ ۱۸۵۴ع میں بند ہوچکے تھے۔ صرف قلعے کے اندر تھوڑا بہت چرچا باقی تھا، جس میں کبھی کبھی میرزا صاحب بھی شریک ہوتے، اور اردو غزلیں پڑھتے تھے۔ سید بدرالدین صاحب کے خط مورخۂ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۵ع میں فرماتے ہیں[3]:

"آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلعے کے مشاعرے میں دو چار لکھی تھیں"۔

اخبارات میں اشاعت اشعار

ہندوستان میں اخبارات کی اشاعت کے بعد، مضامینِ نثر کے ساتھ نظم شایع کرنے کا رواج

۱۔ ادرات غالب:۵۹۔ ۲۔ خطوط:۱/۱۱۳۔ ۳۔ اردوے معلی: ۱۲۷۔ خطوط: ۱/۱۰۹۔

62
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ابتدا سے نظر آتا ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے دہلی اردو اخبار وغیرہ میں میرزا صاحب کی بھی غزلیں اور قصیدے شایع ہوتے رہے ہیں۔ منشی شیونراین ایک پندرہ روزہ اخبار موسوم بہ معیار الشعرا آگرے سے نکالتے تھے۔ سنہ ۵۷ع کے بعد میرزا صاحب نے اُن کے اخبار میں بھی اپنا کلام چھپوایا ہے۔ یکم نومبر سنہ ۱۸۵۸ع سے چند روز قبل منشی صاحب کو لکھتے ہیں[1]:

«سنیے، حکم ہوا ہے کہ دو شنبے کے دن، پہلی تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب خیرخواہانِ انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں، اور بازاروں میں اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔ فقیر بھی اس تہی دستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنسنِ مقرری نہیں پایا، اپنے مکان پر روشنی کرے گا۔ اور ایک قطعہ پندرہ بیت کا لکھ کر صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ہے۔ آپ کے پاس اُس کی نقل بھیجتا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے، تو اُس کو چھاپ دو، اور جس نمبر میں یہ چھاپا جائے، وہ نمبر میرے دیکھنے کو بھیج دینا»۔

اس کے چند ماہ بعد، منشی صاحب کے تقاضے پر، ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۵۹ع کو فرماتے ہیں[2]:

«میاں! میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں، خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے۔ تمہاری جگہ میرے دل میں ہے۔ اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں، اور جو غزل تم نے بھیجی ہے، اُس کو لکھتا ہوں۔ خدا کرے نو کے نو شعر یاد آجائیں۔ .... یہ تمہارا اقبال ہے کہ نو شعر یاد آگئے۔ ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں، تین ہفتے کا گودام تمہارے پاس فراہم ہوگیا۔ اگر منگواؤگے، تو قصیدے بھی دونوں بھیج دوں گا»۔

بعد میں میرزا صاحب کی رائے ان قصیدوں کی اشاعت کے بارے میں بدل گئی، تو اُنھوں نے ۲۷ اپریل کو منشی صاحب کو لکھا[3]:

«قصیدے میں نے دو لکھے ہیں .... ایک پچپن شعر کا، ایک چالیس بیت کا، اور پھر فارسی۔ اُن کو ریختہ کی غزلوں میں کیا چھاپوگے۔ جانے بھی دو۔ رہیں غزلیں سابق کی، وہ جو میرے ہاتھ آتی جائیں گی، بھجواتا جاؤں گا»۔

سنہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ع) میں اکمل‌الاخبار میں ایک رباعی اور قطعہ چھپوایا تھا۔ میر ابراہیم

۱۔ اردوے معلی:۳۷۸، خطوط:۱/۳۸٤۔ ۲۔ اردوے معلی:۳۶۹، خطوط:۱/۳۹٤۔ ۳۔ اردوے معلی:۳۷۱، خطوط:۱/۳۶۹۔

63
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

علی خاں کو اس کی اطلاع دیتے ہیں[1]:

«حضرت سید احمد حسن خاں صاحب، مدّظلہ العالی، کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولودِ مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارتِ رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں میں نے چھپوا دی ہے، اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا، جو اُنھوں نے یہاں بھیجا تھا، وہ بھی چھپوا دیا»۔

نواب کلب علی خاں بہادر والیِ رام پور کی شرکتِ کونسل کا ایک قطعۂ تاریخ لکھ کر بھیجا تھا، تو اُس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ «اگر پسند آئے، تو اجازت مل جائے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپوا دوں»۔ نواب صاحب کی سرپرستی میں رام پور سے «دبدبۂ سکندری» جاری ہوا، تو میرزا صاحب نے ایک مدحیہ رباعی نواب صاحب کو لکھ کر بھیجی اور خواہش کی کہ اسے اخبار کے سرنامے پر شایع کیا جایا کرے۔ بعد ازاں اور اشعار بھیجے، تو اُن کے ساتھ دبدبۂ سکندری میں اُن کی اشاعت کی بھی درخواست کی[2]۔

مفتی امیر احمد امیر مینائی نے اپنا کلام منشی شیونراین کے اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجا۔ اُس وقت تک مفتی صاحب کی شہرت رامپور سے باہر نہ نکلی تھی۔ شیونراین نے اُن کے کلام کی رسید اور عدمِ اشاعت کا عذر اخبار میں شایع کیا، تو میرزا صاحب نے اُنھیں لکھا[3]:

«اب کے تمھارے 'معیار الشعرا' میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی کہ 'امیر' شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہم کو جب تک اُن کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا، ہم اُن کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں، اور امیر احمد ان کا نام ہے اور 'امیر' تخلص کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں، اور اب وہ رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں اُن کی غزلیں تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو»۔

ہجّی یا مدح

جو نقاد مشرق دربار کے سماجی اثرات سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ شعرائے مشرق

---

۱ - اردوئے معلی: ۲۳۷ -
۲ - مکاتیب غالب: مکتوب نمبر ۷۸، ۸۷، ۸۸ -
۳ - خطوط: ۱/۲۹۷ -

64
579
Scanned with CamScanner

8:42
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org

کے لیے سلاطین کی مدح سے راہِ گریز نہ تھی، اور شاہی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر شاعر کو الفاظ و معانی کے باغ لگانا پڑتے تھے۔

میرزا صاحب نے بھی ہندوستان کے چھوٹے بڑے درباروں اور انگریزی سرکار کی اتنی مدح و ستایش کی ہے کہ آخر اُنھیں یہ لکھنا پڑا کہ میرا "سخنوری شیوہ اور ستایش گری آئین ہے"۔ لیکن شروع میں اُنھیں اس پر فخر نہ تھا۔ چنانچہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) کے مرتبہ دیباچۂ کلیات میں فرماتے ہیں[1]: "شادم از آزادی کہ بساختن بہنجار عشقبازان گزاردستم، و داغم از آزمندی کہ ورقِ چند بکردارِ دنیا طلبان در مدحِ اہلِ جاہ سیہ کردستم"۔ یہی جذبۂ افسوس ہے جس کے ماتحت وہ مدح کے اشعار نسبتاً کم لکھتے اور تشبیب و عرضِ حال وغیرہ پر زیادہ زور دیتے ہیں، تاکہ مدح اپنے حدود سے گزر کر بھٹی نہ بن جائے۔ سنہ ۱۸۴۹ع میں میرزا تفتہ کو لکھتے ہیں[2]:

"کیا کروں! اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجکو نہیں آتی، کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو۔ تشبیب کے شعر بہت پاؤگے اور مدح کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اُن کی مدح کتنی ہے۔ میرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوانِ حافظ کی بموجبِ فرمایش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے، اُس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں اُن کا نام اور اُن کی مدح آئی ہے، اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں۔

واللہ، باللہ! اگر کسی شاہزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا، تو اُس کی اتنی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمھاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری روش کو پہچانتے، تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر، تمھاری خاطر کی، اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اُس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھٹی میری روش نہیں۔

ظاہرا تم خود فکر نہیں کرتے، اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیشتر اس نظم کو مہمل کہیں گے۔ کس واسطے کہ اُن کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانیں گے، وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا پہچانیں گے"۔

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۰۱۔ ۲۔ کلیات فارسی: ۸۔ ۳۔ اردوے معلی: ۸۲، خطوط: ۱/-۔

65
579
Scanned with CamScanner

8:42
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

لیکن یہ سب کچھ میرزا صاحب نے اُنھیں دواعی و اسباب کے ماتحت کیا جو اُن کے پیشروؤں کو لاحق ہوے تھے۔ یعنی جس نے کچھ دیا، یا جس سے کچھ ملنے کی امید بندھی، اُس کی شان میں قصیدہ لکھا، اور جب یہ امید ٹوٹ گئی، اس رسم کو بند کردیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھٹئی ہی تھی۔ اسی لیے سنہ ۱۸۶۰ع میں علائی کے نام کے خط میں اس کا خود بھی اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں[۱]:

«اشعارِ تازہ مانگتے ہو۔ کہاں سے لاؤں؟ عاشقانہ اشعار سے مجکو وہ بُعد ہے، جو ایمان سے کفر کو۔

گورمنٹ کا بھاٹ تھا۔ بھٹئی کرتا تھا، خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف، بھٹئی متروك۔ نہ غزل، نہ مدح»۔

ہزل و ہجو

میرزا صاحب کی سنجیدگی و خود داری نے اُن کے رواں دواں دماغ کو شاعری کی بلند سطح سے اُترنے کی اجازت نہیں دی۔ اسی لیے وہ بڑی حد تك ہزل و ہجو سے اپنا دامن بچا لے گئے۔ خود بھی فرماتے ہیں[۲]: «ہزل و ہجو میرا آئین نہیں»۔

تاہم اُن کے کلامِ فارسی میں ہجویہ قطعات موجود ہیں۔ اُن میں سے صرف ایك کا مطالعہ اُن کا اندازِ ہجو معلوم کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ فرماتے ہیں[۳]:

کردۂ جُهدی کہ در ویرانیِ کاشانہ ام — چرخ در آرایشِ هنگامۂ عالم نکرد
گر بہ هجوت راندہ باشم نکتہ ها، بر خود مپیچ — زانکہ حرفی زانچہ گفتم، خاطرم خرم نکرد
بیتی از اُستاد دیدم، ذوقکی بخشید، لیك — هیچ در تسکین نیفزود و ز وحشت کم نکرد
«همچو تو ناقابلی در صُلبِ آدم دیدہ بود — زان سبب ابلیسِ ملعون سجدہ برآدم نکرد»
حاشاللہ، بودنت در صلبِ آدم تهمت است
پیشِ هر کس گفتم این اندیشہ، باور هم نکرد

اس سے بجا طور پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے انتہائی غم و غصے کے تحت چند اشخاص کی مذمت کردی تھی۔ اس روش کو دوسرے شعرا کی طرح اپنا آئین نہیں بنایا۔

۱ - اردوے معلی:۴۳۵؛ خطوط:۱/۳۲۱ - ۲ - ایضاً - ۳ - کلیات فارسی:۱۷ -

66
579
Scanned with CamScanner

8:42
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

علاوہ ازیں ان میں کسی شخص کا نام بھی نہیں لیا گیا ھے۔ اس سے معلوم ہوا ھے کہ میرزا صاحب کا مقصود صرف دل کی بھڑاس نکالنا تھا، کسی کو بدنام کرنے اور بدنام رکھنے کے لیے ہجویہ شعر نہیں کہتے تھے۔

معاصرین کا اعتراف

میرزا صاحب، صاحبانِ کمال کے قدردان بھی تھے۔ چنانچہ اپنے معاصروں میں سے شیخ امام بخش ناسخ، حکیم مومن خان مومن، شیخ محمد ابراھیم ذوق، مولانا فضلِ حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر و رخشاں وغیرہ کی اچھی خاصی تعریف اُن کے کلامِ نظم و نثر میں موجود ھے۔

مومن خاں کے انتقال پر اُن کا یوں ماتم کیا ھے[1]:

شرطست کہ روی دل خراشم ھمہ عمر خونابہ برخ ز دیدہ پاشم ھمہ عمر
کافر باشم، اگر بمرگِ مومن چون کعبہ، سیہ پوش نباشم ھمہ عمر

نیز حقیر کو جمعہ ۲۱ مئی ۱۸۵۲ء کو لکھا[2]:

«مومن خاں میرا ھمعصر اور یار تھا ..... یہ شخص بھی اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا۔ طبیعت اس کی معنی آفریں تھی»۔

ذوق سے چشمک رہتی تھی۔ مگر اُن کا انتقال ہوا تو یہ تعزیتی قطعہ لکھا[3]:

تاریخِ وفاتِ ذوق، غالب با خاطرِ درد مند و مایوس
خون شد دلِ زار، تا نوشتم خاقانیِ ھند مُرد، افسوس

اور حقیر کو ۲۳ نومبر ۱۸۵٤ء کو حسبِ ذیل الفاظ تحریر کیے[4]:

«میاں ذوق مرگئے ..... سچ تو یہ ھے کہ یہ شخص اپنی وضع کا ایک اور اس عصر میں غنیمت تھا»۔

مفتی صدرالدین خاں آزردہ کی تعریف میں ایک طویل فارسی قصیدہ میرزا صاحب کے کلیات میں موجود ھے[5]۔ اُس میں فرماتے ھیں:

---

۱ - کلیات فارسی:٥٤٤ - ۲ - نادرات غالب:۲٤ - ۳ - سبدچین:۲۹ - ٤ - نادرات غالب:٦٨ -
٥ - کلیات فارسی:۳٤۲ -

67
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

آن کہ تنگِ اوست بودن در سخن ہمتای من

نیز نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے گلشنِ بیخار میں مفتی صاحب کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میرزا صاحب نے اُس کا مسودہ دیکھ کر اُنھیں لکھا[1]:

«گہر نسفتنِ خامہ و گوہرین نگشتنِ نامہ در ردیفِ الف بہ نگارشِ اشعارِ پروین نثارِ حضرتِ آزردہ از چہ روست؟ ہرچند ذکرِ خدّامِ برجیس مقام در جریدۂ این فن نہ سزاوارِ شانِ فضیلت باشد، لیکن اگر بمقتضای فرطِ محبت جرائی بکار می رفت، گناھی نبود، و در تلافیِ آن بہ پوزش نیاز نمی افتاد»۔

نوابِ مصطفیٰ خاں شیفتہ کی مدح میں بھی ایك فارسی قصیدہ لکھا ھے[2]، جس میں عرفی و خاقانی کو اُن کا فرمان پزیر بتایا ھے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر «حبسیہ» میں فرماتے ھیں[3]:

خواجۂ ھست درین شہر کہ از پرسشِ وی   پایۂ خویشتنم در نظر آمد، گوئی

اُن کے ذوقِ سخن سنجی کی اس درجہ تعریف کی ھے[4]:

غالب بفنِّ گفتگو نازد بدین ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل، تا مصطفیٰ خان خوش نکرد

اُنھوں نے «گریستن» زمین میں ایك غزل لکھ کر میرزا صاحب کو بھیجی تھی۔ اس کی داد ان لفظوں میں دی ھے[5]:

«قصیدۂ گریستن با آنکہ از دلم بزبان رسیدہ و از زبانم بدر تراویدہ و ھمچنان در دل جا دارد، بمشاھدۂ غزلی کہ امروز بمن رسید، ہم از دل رفت و ہم از نظر اُفتاد۔ زھی غزل! و خوشا غزل! اگرچہ نارسا بیان و کج مج زبانم، اما اگر ھر بیت را جداگانہ یك قصیدہ ستایم، میتوانم۔ آہ ازین مقطع! و داد ازین مقطع! زبانِ ستایشِ این مقطع کراست؟ با آنکہ در سخن ھوا خواہ و آفرین گوی شماستم، مرا بر شما رشك آورد۔ جاودان مانید، کہ پیکرِ سخن را جانید»۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر کے مدحیہ قصیدے میں یہ لکھ دیا کہ[6]:

بہ نکتہ شیوۂ شاگردِ من بمن مانا ست   صنم بصورتِ خود می تراشد آزرِ من

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۵۰۔   ۲۔ کلیات فارسی: ۳۳۹۔   ۳۔ سبد چین: ۱۷۔
٤۔ کلیات فارسی: ٤٤۹۔   ۵۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۵۔   ٦۔ کلیات فارسی: ۳٤۵۔

68
579
Scanned with CamScanner

8:42
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ایک فارسی غزل میں اپنے متعدد معاصروں کی تعریف میں لکھتے ھیں[1]:

ای کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم — چہ بما منّتِ بسیار نہی از کرِ شان؟
ھند را خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد، در خلوتِ شان مشك فشان از دمِ شان
مومن و نیر و صہبائی و علوی و انگاہ — حسرتی، اشرف و آزردہ بود اعظمِ شان
غالبِ سوختہ جان گرچہ نیرزد بشمار — ھست در بزمِ سخن ھمنفس و ھمدمِ شان

ناقدردانی عصر

لیکن خود میرزا صاحب کو زمانے کی قدر ناشناسی کی شکایت رھی ھے اور دوسرے اھلِ کال کی طرح وہ بھی اس کے گلہ مند ھیں کہ زمانے نے اُن کے مرتبے کو بقدرِ بایست نہ پہچانا ۔ میری دانست میں اُن کے بلند آھنگ شکوے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے ھنر کے بارے میں مکمل خود شعوری اور فن کے متعلق صحیح احساس اُن کے اندر پیدا ھوگیا تھا، اور اُن کی سی دیدہوری بہت کم حضرات میں موجود تھی، اس لیے وہ اپنے آپ کو «گنجِ تہِ خاك» یا «صدا بصحراء» شمار کرنے لگے تھے ۔

ھنگامۂ کلکتہ

ھر شخص جانتا ھے کہ ادھیڑ عمر تك میرزا صاحب کو اپنی اردو شاعری پر ناز نہ تھا ۔ اسی لیے جب نکتہ چینوں نے کہا کہ آپ آسان زبان میں سخن سرائی فرمایا کیجیے، یہ کلام تو آپ اور آپ کا خدا ھی سمجھتا ھے[2]، تو اُنھوں نے ایك رباعی میں از راہِ معذرت اتنا فرمایا تھا کہ[3]: گویم مشکل، و گر نہ گویم مشکل ۔ لیکن کلکتے میں «جزوی از عالم و از ھمہ عالم بیشم» کی ترکیبِ «ھمہ عالم» پر اھلِ علم نے ھنگامہ بپا کیا[4]، تو میرزا صاحب کے دل میں قدر ناشناسی کے شکوے کی تخم ریزی ھوگئی، جو رفتہ رفتہ ایك مستقل موضوع بن کر رہ گیا ۔ اس کی تنہا وجہ یہ تھی کہ اپنے فارسی کلام کے متعلق اُن کی رائے بہت بلند تھی اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ:

---

۱ - کلیات فارسی : ۵۰۵ ۔ ۲ - آب حیات : ۴۸٤ ۔ ۳ - دیوان غالب، نوادرِ سروش: ۳۳۹ ۔ ٤ - کلیات فارسی: ۹۵ ۔

69
579
Scanned with CamScanner

8:42
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

غالب، بشعر کم ز ظہوری نیم، ولی
عادل شہ سخن رس دریا نوال کو[۱]؟

در لئیمی شہرۂ دھر از تہیدستی است چرخ
رفتہ مسکین را ز باد و گنجِ پنہانش منم[۲]

پایۂ من، جز بچشمِ من نیاید در نظر
از بلندی، اخترم روشن نیاید در نظر[۳]

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دھر کا
سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہنر کو میں[۴]

میرزا صاحب نے سنتِ شعرا سے آگے بڑھ کر نثر میں بھی ناقدردانیِ عصر کا بہت کچھ گلہ کیا ہے۔ تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہ مضمون سب سے پہلے اُس خط میں ملتا ہے جو کلکتے سے حکیم احسن اللہ خاں بہادر کو لکھا ہے۔ اُس میں فرماتے ہیں[۵]:

«مدعوی گاھی کہ توانائیِ قتیل را بفروھیدگیِ فرھنگ مسلم داشتہ، و لوای نور العینِ واقف بشیوائیِ شیوہ برافراشتہ باشند، با کہ باید گفت کہ نتایجِ طبع ما کجائیست. و ما را چہ مایہ لذت درین جگر خائیست؟»

سفرِ کلکتہ کے کچھ بعد نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے نام کے خط میں شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں[۶]:

«درد خود ازین جانگداز تر چہ خواھد بود کہ تا دکانم را در کشادہ بود، و رنگ رنگ متاعِ سخن بروی ھم نہادہ، کس از مشتریان حلقہ بر در نزد، و سودای خریداری از ھیچ دل سر بر نزد۔ چون دکان را کالا و زبان را حرفہای جگر آلا نماند. روزگار گرانمایہ خریداری پدید آورد کہ نقدِ رایجِ سخن خود را بہای گفتارِ نا سرۂ من میدھد و گوھر را بہ پلۂ یبعانگیِ خزف می نہد»۔

قید دھلی

دھلی واپس آکر میرزا صاحب کلکتے کی تلخیاں بھول جاتے، اگر انگریزی وظیفے کا مقدمہ اُن کے موافق فیصل ہوتا، یا پھر قلعۂ معلی اور شہرِ دھلی میں اُن کی پرسش بقدرِ حوصلہ ہوتی۔ مگر ہوا یہ کہ اُنھیں ۱۲٦٤ھ (۱۸٤۷ع) میں قمار بازی کے الزام میں چھ مہینے کی قید ہوگئی۔ وہ بہر حال دھلی کے سر برآوردہ لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہاں کے بڑے بڑے

۱۔ کلیاتِ فارسی: ۵۰۸۔
۲۔ ایضاً : ۵٦۔
۳۔ ایضاً : ۵۷۔
٤۔ دیوانِ غالب، نوائے سروش: ۲۳٦۔
۵۔ کلیاتِ نثر، پنج آہنگ : ۵۲۔
٦۔ ایضاً : ٤۸۔

70
579
Scanned with CamScanner

8:43
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

امرا سے برابر کے تعلقات رکھتے تھے، خاندانِ لوھارو کے داماد تھے، خود قلعے سے مداحی کا رشتہ پیدا کرچکے تھے۔ ان رشتوں میں سے کوئی بھی کام نہ آیا اور سوائے ایك نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے کسی نے غمخواری و بیکس نوازی نہ برتی۔ احباب و اعزا کی اس روش اور اھلِ شہر کی اس کم التفاتی نے اُنھیں سخت خستہ و زار کردیا. اور وہ ترکِ وطن پر آمادہ ہوگئے۔

تفضل حسین خاں کو لکھتے ھیں[1]:

«شحنہ عدو بود و مجسٹریٹ بامن نا آشنا۔ فتنہ در کمین بود و بخت نارسا۔ مجسٹریٹ باآنکہ شحنہ را فرمانروا هستی، در خستنِ من شحنہ را فرمان برد. و توقیعِ گرفتاریِ من نوشت۔ و سشن جج باآنکہ بامن دوستی داشت و پیوستہ با من مهرورز و مهربان بودہ و بارها در بزم می بهم پیمودہ، چشم پوشید و بہ من تغافل زد۔ داوری بصدر بردند۔ هیچ کس نشنید و همان فرمانِ بیداد بجا ماند۔

ندانم چہ رُو داد کہ چون نیمۂ میعاد سپری شد، مجسٹریٹ را دل بهم برآمد، و خود از صدر نسخِ حکمِ خویش و رستگاریِ من خواست۔ خواهشِ وی پزیرفتند. بلکہ او را بدین خواهش ثنا گفتند۔

گویند، بس کہ نکویانِ قوم آن خیرہ سر، یعنی مجسٹریٹِ بیداد گر را ملامت کردند، و پایۂ آزادی و خاکساریِ مرا در نظرش جلوہ دادند. بدین رنگ کہ رهائیِ من از بند خویش خواست، عذر خواست و دگر هم پوزشها و دلجوئیها کرد۔

من خود ازان رو کہ هر صفت و هر فعل و هر امر را از کردگار می نگرم، و ستیزہ با کردگار روا نبود، از آنچہ رفت آزادم. وبدانچہ هست شادم۔ اما چون آرزو منافیِ آئینِ بندگی نیست:

عشق است و صد هزار تمنا، مرا چہ جرم؟
گر خواهشی کند دلِ شیدا، مرا چہ جرم؟

خواهم سپس در جهان نباشم۔ و اگر باشم، در هندوستان نباشم۔ روم است و مصر است

---

1 باغ دو در:۷۲، الف۔

71
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

و ایران است و بغداد است۔ وگرنہ خود کعبہ پناہِ آزادگان و سنگِ آستانۂ رحمۃ للعالمین تکیہ‌گاہِ دلدادگان بس است۔

کی بود آیا کہ از بندِ فروماندگی کہ خود ازان بند کہ رفت روان فرساتر است، برون جہم، و منزل در نظر نیاوردہ سر بصحرا نہم۔ آنست آنچہ برما رفت، و این است آنچہ میخواہم۔

اس خط کے ایک ایک لفظ سے اُن کے دل کا درد اور جگر کی سوزش ہویدا ہے، اور اُن کا یہ سوچنا کہ اس بے عزتی کے بعد مرجاؤں، یا ملک بدر ہوجاؤں، کچھ بے جا نہیں۔

اس سلسلے میں میرزا صاحب نے ایک فارسی ترکیب بند بھی لکھا تھا[1]۔ اُس میں فرماتے ہیں:

هله! دزدانِ گرفتار، وفا نیست بشہر　　خویشتن را بشما ہمدم و ہمراز کنم
بس کہ خویشان شدہ بیگانہ ز بدنامیِ من　　غیر، نشگفت، خورد گر غمِ ناکامیِ من
جورِ اعدا رود از دل برهائی، لیکن　　طعنِ احباب کم از زخمِ خدنگم نبود

شیفتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خود چرا خون خورم از غم کہ بغمخواریِ من
رحمتِ حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی!
خواجۂ ہست دربن شہر کہ از پرسشِ وی
پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی

آخر میں احبابِ دهلی سے خطاب کیا ہے:

درمیان ضابطۂ مہر و وفائی بودست　　من برنم کہ ہر آئینہ بر آیند ہمہ
روزی از مہر نگفتید: «فلانی چونست؟»　　باری، از لطف بگوئید: «چہ‌اند ہمہ»؟

غرض اس کانٹے کے چبھنے سے بھی اُن کا بہت سا خونِ دل کاغذ کے صفحوں پر بہا، اور ہمارے لیے متعدد شاہ کار نقش باقی رہ گئے۔

دربار اور شہر دونوں میں میرزا صاحب کے متعدد حریف بھی موجود تھے۔ ان میں سے ذوق زیادہ چھائے ہوئے تھے۔ وہ بڑے پُرگو شاعر تھے، اس لیے اِن کے چھوٹے سے اردو دیوان کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ غالباً اُنھیں نے ایک بار حضورِ شاہ میں ابنی پر گوئی

۱ - سبد چین: ۱۴ تا ۱۹ -

72
579
Scanned with CamScanner

8:43
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اور میرزا صاحب کی کم گوئی کا ذکر چھیڑا تھا۔ جس پر جل کر اُنھوں نے ایك فارسی قطعه لکھا اور اُس میں فرمایا[1]:

ای که در بزمِ شہنشاہِ سخن رس گفتۂ
کی به پُر گوئی فلان در شعر ہمسنگِ من است؟،

راست گفتی، لیك میدانی که نبود جای طعن
کمتر از بانگِ دهل کر نغمۂ چنگِ من است

فارسی بین، تا به بینی نقشہای رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو که بے رنگِ من است

در سخن چون ہمزبان و ہمنوای من نه
چون دلت را پیچ و تاب از رشكِ آہنگِ من است؟

راست میگویم من و از راست سر نتوان کشید
ہرچه در گفتار فخرِ تست، آن ننگِ من است

اس پر مستزاد یه ہوا که تاجدارِ دہلی کے صاحبزادے کی شادی قرار پائی۔ بادشاہ بیگم کی فرمایش پر میرزا صاحب نے اپنا شہرۂ آفاق سہرا لکھا۔ اُس کے مقطع میں اُنھوں نے شاعرانه تعلّی سے کام لیا تھا۔ بادشاہ کو شبہه ہوا که اس میں اُستاد ذوق کی طرف روے سخن ہے۔ چنانچه جواب میں ذوق سے بھی سہرا لکھوایا گیا، جس کے مقطع میں کہا گیا تھا که "دیکھو، اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا[2]"۔ میرزا صاحب کا دل ٹوٹ گیا، اور اُنھوں نے جو معذرتی قطعه لکھ کر پیش کیا اُس میں یه بھی ظاہر کردیا که[3]:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپه گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

نواب انور الدوله بہادر شفق کو یه سارا ماجرا اس طرح سنایا ہے[4]:

"از دیر باز سرِ دستان سرائیِ اردو ندارم۔ ہمانا از رضا جوئیِ شہر یارِ سلیمان پیشکار است گاہ گاہ ناگاہ رنگِ ریخته ریختن، ویژہ بفرمانِ بانوی بلقیس پرستار است در ریخته بدین ردیفِ ناروا دل آویختن۔ مگر در مقطعِ غزل سرمستانه ہوئی زدہ باشم۔ آن یکی که گمانِ کالی که نداشت داشت، پنداشت روی سخن سوی اوست۔ در مقطعِ غزلی که سرود، بہنجارِ ستیزہ گام زد و دانست که گفتارِ مرا پاسخ ساز داد۔ من بسیه مستیِ این نه جرعه که فرو ریختۂ خامۂ من است ع ہرچه در گفتار فخرِ تست آن ننگِ من است، سر بسخن فرود نیاوردم و قطعِ نظر را دلیلِ قطعی امتیاز شمردم"۔

اس کے بعد ناقدردانیِ دہر پر آنسو بہاتے ہوے لکھتے ہیں:

۱۔ کلیات فارسی:۱۳ ۲۔ دیوان ذوق، (مرتبۂ آزاد):۲۹۲۔ ۳۔ دیوان غالب، نواے سروش:۱۳۶ ۔ ٤۔ کلیات نثر، پنج آہنگ:۱۰٤۔

73
579
Scanned with CamScanner

8:43
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«یا خود بروزگار دیدہ وری نبود، یا بود و بمن نپرداخت۔ همانا در تیرگیِ روزگارِ من اندازۂ شگرفیِ کارِ من کسی نہ شناخت۔»

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عام طور پر اُن کی شگرف کاری کا کسی نے صحیح اندازہ نہ لگایا، اور جو اندازہ داں تھے، اُنھوں نے اپنے ہاتھ کو کوتاہ پایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرزا صاحب کا کلام گلہ و شکایت سے بھر گیا، اور اُنھوں نے اس رنگ میں ایسے ایسے نادر مضامین پیدا کیے کہ باید و شاید۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی ہوا، ورنہ اس نادرۂ روزگار شاعر کے بہت سے جوہر اتنے نہ اُبھر پاتے، اور ہم اُن کے خیال کی اس بلندی سے کسی طرح آگاہ نہ ہوسکتے۔

شعر گوئی متروک

میرزا صاحب نے تقریباً ۱۸۶۱ء میں سرور کو لکھا ہے[1]:

«میں اموات میں ہوں۔ مردہ شعر کیا کہے گا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں، جو غزل کی روش ضمیر میں آئے؟ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے؟ ہائے! انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے:

ای دریغا! نیست ممدوحی سزاوارِ مدیح ای دریغا! نیست معشوقی سزاوارِ غزل

.... صناعتِ شعر اعضای و جوارح کا کام نہیں، دل چاہیے، دماغ چاہیے، ذوق چاہیے، اُمنگ چاہیے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں، جو شعر کہوں؟۔

چونسٹھ برس کی عمر، ولولۂ شباب کہاں؟ رعایتِ فن اُس کے اسباب کہاں؟»

۴ مارچ ۱۸۶۳ء کو تفتہ کے خط میں لکھا ہے[2]:

«شعر کام دل و دماغ کا ہے، وہ روپے کی فکر میں پریشان۔»

واقعہ یہ ہے کہ جب تک میرزا صاحب مالی پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوئے تھے، اُنھیں آزاد دل و دماغ، سرمستانہ ذوقِ شعر اور طبیعت کی جدت پسند اُمنگ حاصل تھی۔ اُس زمانے میں اُنھوں نے صاف طور پر لکھا ہے[3]:

«مرا رسد مَی کشیدن، و غزل سرودن، و آزاد زیستن، و حلقہ بر در زدن۔ نہ خون خوردن،

۱۔ عود: ۳۲۰، اردوے معلی: ۱۳۸۔ ۲۔ خطوط: ۱/۸۷۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۔

Scanned with CamScanner

8:43
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

و دبستان کشودن، ودلتنگ بودن، و به بندِ زبان اُفتادن۔»

میرزا صاحب کی اس پرکیف زندگی کا خاتمہ پنشن کے مقدمے کے آغاز پر ہوگیا۔ تاہم ابھی اُن کی شاعری کا شباب ولولہ و مستی سے بیگانہ نہیں ہوا تھا۔ اور وہ چکنی ڈلی کی تعریف میں نو دس شعر فی البدیہہ کہہ کر اہلِ مجلس سے خراجِ تحسین و آفرین حاصل کرسکتے تھے[1]۔ ہاں، جب کلکتے سے ناکام واپس ہوئے، اور پھر جنوری ۱۸۳۱ع میں مقدمہ اُن کے خلاف فیصل ہوگیا، تو مستقبل کے خوفناک تصور نے اُن کے دل و دماغ کو سخت اذیت پہنچائی، اور پہلی بار اُن کی طبیعت نے فکرِ شعر و سخن سے تنفر کا اظہار کیا۔ اب وہ غزل کہتے تھے، مگر دوستوں کے اصرار پر، اور قصاید بھی لکھتے تھے، مگر مالی پریشانیوں کا بھوت دفع کرنے کے لیے۔ کلیاتِ فارسی کی ترتیب کے وقت اُنھوں نے لکھا تھا[2]:

«شادم از آزادی کہ بسا سخن بہنجارِ عشق بازان گزار دستم، و داغم از آزمندی کہ ورقی چند بکردارِ دنیا طلبان در مدحِ اہل جاہ سیہ کردستم۔»

اس وقت تک اُن کا یہ خیال درست تھا۔ کیونکہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں حمد و نعت و منقبت کے قصیدوں کے علاوہ، جاہ مندوں کی مدح میں اُن کے صرف ۷ قصیدے تھے، اور دیوان کا بڑا حصہ غزل پر مشتمل تھا۔ مگر آیندہ، غزلیں برائے نام اور قصاید ضرورت سے زیادہ لکھنے پڑے، جو صرف اقتصادی مصائب کا نتیجہ تھا۔

بہر حال کلکتے سے واپسی کے بعد سنہ ۱۸۳۵ھ یا سنہ ۱۸۳۶ع میں میرزا صاحب نے قافیۂ سخن سنجی تنگ ہونے کا اقرار کرنا شروع کر دیا تھا۔ مولوی سراج الدین احمد کو ایک خط میں لکھا ہے[3]:

«اکنون کہ با خودم آویزشہای رنگ رنگست، قافیۂ سخن سنجی تنگ است۔ منم کہ اگر از روزگار، نہ بسیار بلکہ اندک آسایش یافتمی، بہ نیروی فکر پنجۂ اربابِ فن برتافتمی۔ سخن کوتاہ، با این ہمہ دل افسردگی، ہرچہ از قسمِ شعر بزبان خواہد گزشت، بیمانجگریِ خامہ روشناسِ نگاہِ الفات خواہد گشت۔»

سنہ ۱۸۴۰ع میں نواب محمد سعید خاں بہادر (جنت آرامگاہ) نے تختِ رامپور کو مفتخر

۱ - عود: ۱۱۱، اردوے معلی: ۲۶۹، خطوط: ۱/۳۰۹ - ۲ - کلیات فارسی: ۸ - ۳ - کلیات نثر، بنج آہنگ: ۷۰.

Scanned with CamScanner

8:43

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org

دیوان غالب

کیا. تو اُن کے بھائی. نواب عبداللہ خاں بہادر، صدر الصدورِ میرٹھ، نے میرزا صاحب سے قصیدۂ مبارك باد لکھنے کی خواهش کی ۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا[1]:

«خدامِ بلند مقام که سرِ انجامِ قصیده بقصدِ نام آوری از غالبِ بینوا چشم داشته اند، مگر آن فرسوده روان افسرده دل را که هنوز نمرده است، زنده پنداشته اند؟ ..... کاش! کشایشِ این کار، چون صنعتِ نقاشی و گلدسته بندی، تنها بکوششِ دست و بازو صورت بستی، تا چشم از خستگیِ دل پوشیدمی، و فرمان پزیرانه در پردازشِ کار کوشیدمی! چکنم؟ چون سرِ این رشته در دستِ دلست ۔ تا دل برجای نباشد، زبان سخن سرای نباشد ۔ دیده ورانِ صاحبدل دانند که چه قدرها دیده و دل آمیخته شود، تا نقشی بدان شگرفی که بالغ نظران پسندند، انگیخته شود ۔

این دلِ شکستۂ بهم نه پیوسته، که درسینۂ من و همانا دشمنِ دیرینۂ منست، زنهار بکارِ سخن گستری نیاید، و معنی آفرینی را نشاید.... امید که دربارۂ گرایش بدین ستایش، نظماً او نثراً، نامه‌نگار را از اموات شمارند ـ»

غالباً سنه ۱۸٤۳ع میں میرزا صاحب نے جیمس ٹامسن صاحب کی مدح میں ایك غزل لکھ کر بھیجی تھی، اور اُس کے ساتھ تحریر کیا تھا[2]:

«جگر بالائیِ غم، و جانگدازیِ یاس، و ناسازگاریِ منش، و آشفتگیِ رای، و تنگیِ دل، و پراگندگیِ اندیشه، و تیرگیِ هوش اگر یکی ازین همه، سخنوری را بسختی فراگیرد، نفسِ ناطقه که زندۂ جاودانی و شمعِ آسمانیست، در پیکرِ آن ستمزده فرومیرد ۔ من که این همه را همه، و جز این دیگر غمهای هردمه دارم، چگونه دادِ گفتار توانم داد، و چسان مدعی بسزا توانم گفت ۔»

تقریباً ۱۸٤٤ع میں شیفته کو لکھتے ہیں[3]:

«درین روزگار که سخن را بر من و مرا بر سخن بزنجیر نتوان بست، بدلی که دانی نداشتم و بزبانی که گوئی گفتار نداشت، دو رباعی گفته ام ۔»

سنه ۱۸۵۰ع میں قلعۂ معلی سے تعلق قائم ہوا، تو میرزا صاحب کی شاعری میں پھر حرکت محسوس ہوئی ۔ لیکن کچھ تو پژمردگیِ طبع کی وجہ سے اور زیادہ تر شاہِ ظفر کے مذاقِ سخن کے اتباع میں اُنھوں نے اُردو زبان میں زائد کہا ۔ تاہم جو طبیعت افسردہ ہوکر مردہ ہوچلی تھی،

۱ ـ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۰٤ ـ ۲ ـ ایضاً: ۹۰ ـ ۳ ـ ایضاً: ۹۹ ـ

76
579

Scanned with CamScanner

8:43
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اور جو دماغ جوانی سے گزر کر پیری کے حدود میں داخل ہوگیا تھا، وہ دوسروں کے سہارے کہاں تک ہمت اور جوش کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ میرزا صاحب نے اس زمانے میں بہت کچھ کہا، اور خوب خوب کہا، مگر یہ سب کچھ مجبوری سے کہا۔ اگر وہ اپنے آپ کو مالی مشکلات میں گرفتار نہ پاتے، تو کبھی اس مشقت کو برداشت نہ کرتے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ع کو حقیر کو لکھتے ہیں[1]:

«میں نے قصیدہ لکھنا موقوف کیا۔ موقوف کیا کیا، مجھ سے لکھا ہی نہیں جاتا .... افسوس ہے کہ تم کو میرے حال کی خبر نہیں۔ اگر دیکھو تو جانو۔ ع: جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا۔ کوئی دم ایسا نہیں ہے کہ مجھ کو دمِ واپسیں کا خیال نہ ہو۔»

۲۹ جون ۱۸۵۶ع سے کچھ قبل انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں[2]:

«افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار آپ کی نظر میں نہیں۔ ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوئے دل اور اس ٹوٹے ہوئے دل اور اس مرے ہوئے دل پر کیا گزر رہا ہوں۔ نواب صاحب، اب نہ دل میں وہ طاقت، نہ قلم میں وہ زور۔ سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے۔ بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آجائے، وہ لکھ لوں۔ ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ بقولِ میرزا عبدالقادر بیدل:

جہدہا، در خورِ توانائیست ضعف، یکسر فراغ می خواہد»

قدر بلگرامی کو ۲۳ فروری ۱۸۵۷ع کو تحریر فرماتے ہیں[3]:

باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جان میں تاب و تواں نہیں۔»

۱۸۵۷ع کے مصائب جھیلنے کے بعد میرزا صاحب کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۸ع کو لکھا ہے[4]:

«بناوٹ نہ سمجھنا۔ شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ میں نے کیونکر کہا تھا۔»

انہیں کو پھر لکھتے ہیں[5]:

۱ - نادرات غالب: ۸۰ - ۲ - عود: ۴۹، اردوے معلی: ۲۹۷ - ۳ - خطوط: ۱/۱۷۷ - ۴ - ایضاً: ۳۳ - ۵ - ایضاً: ۳۸ -

77
579
Scanned with CamScanner

8:44
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر، یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں، اور تنگ آتا ہوں، تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں:

اے مرگِ ناگہاں! تجھے کیا انتظار ہے؟»

۲۷ اپریل ۱۸۵۹ء کو شیونرائن کو تحریر کیا ہے[1]:

«میاں، تمہاری جان کی قسم! نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہتا ہے، نہ مجھ سے کہا جائے۔ اس دو برس میں صرف وہ پچیس تیس شعر بطریقِ قصیدہ تمہاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے۔ سوائے اُس کے اگر میں نے ریختہ کہا ہوگا، تو گنہ گار۔ بلکہ فارسی غزل بھی واللہ! نہیں لکھی۔ صرف یہ دو قصیدے لکھے ہیں۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے؟»

جنون بریلوی نے فارسی اشعار کی فرمایش کی تھی۔ اس کے جواب میں ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء کو لکھتے ہیں[2]:

فارسی کیا لکھوں، یہاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر۔ ہزار آدمی کا ماتمدار ہوں۔ آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں۔ اس سے قطعِ نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پر کھڑا ہے، پابرکاب ہوں۔»

اسی سال تفتہ کو زرا صفائی کے ساتھ لکھا ہے[3]:

«بات یہ ہے کہ تم مشقِ سخن کر رہے ہو، اور میں مشقِ فنا میں مستغرق ہوں۔ بو علی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضایع اور بے فایدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے، اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری سب خرافات ہے.... ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر

۱۔ اردوے معلی: ۳۷۱، خطوط: ۱/۳۹۶۔ ۲۔ خطوط: ۱/۱۱۷۔ ۳۔ ایضاً: ۶۸۔

Scanned with CamScanner

8:44

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org

دیوان غالب

مشهور رهیں کے۔ اُن کو شهرت سے کیا حاصل هوا، که هم کو تم کو هوگا۔»

سرور کے خط میں صاحبِ عالم مارهروی سے خطاب کر کے لکھا هے که «شعر کو مجھ سے اور مجکو شعر سے هرگز نسبت باقی نہیں رهی[۱]۔» ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ع کو احمد حسن قنوجی کو لکھتے هیں[۲]:

«۶۵ برس کی عمر هوئی۔ اضمحلالِ قوا، ضعفِ دماغ، فکرِ مرگ، غمِ عقبیٰ۔ جو آپ مجھے دیکھ گئے هیں، میں اب وه نہیں هوں۔ نظم و نثر کا کام صرف ۵۰ برس کی مشق کے زور سے چلتا هے۔ ورنه جوهرِ فکر کی رخشندگی کہاں! بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا هے، زور نہیں دلوا سکتا۔»

۱۹ نومبر سنۂ مذکور میں سرور کو تحریر کیا هے[۳]:

«سوا ے ایك ملکے کے که وه پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجه هے، کوئی قوت باقی نہیں رهی۔ کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا هوں، تو یه جانتا هوں که یه تحریر میری هے۔ مگر حیران رهتا هوں که میں نے یه نثر کیونکر لکھی تھی، اور کیوں کر یه شعر کہے تھے۔ عبدالقادر بیدل کا یه مصرع گویا میری زبان سے هے:

عالم همه افسانهٔ ما دارد و ما هیچ

پایانِ عمر هے۔ دل و دماغ جواب دے چکے هیں۔»

اس سال میرزا صاحب کی مایوسی حدِ صبر و ضبط سے اتنی آگے بڑھ چکی تھی که وه دنیا کی هر چیز سے بے تعلق کا اظہار کرنے لگے تھے۔ چنانچه ۲۰ جنوری ۱۸۶۱ع کو تفته کو لکھا هے[۴]:

«میں تو یه کہتا هوں که عرفی کے قصاید کی شهرت سے عرفی کے کیا هاتھ آیا، جو میرے قصاید کے اشتہار سے مجکو نفع هوگا۔ سعدی نے بوستاں سے کیا پھل پایا، جو تم سنبلستان سے پاؤ کے۔

الله کے سوا جو کچھ هے، موهوم و معدوم هے۔ نه سخن هے، نه سخنور هے، نه قصیده هے، نه قصد هے۔ لاموجود الا الله!»

۱٤ اپریل ۱۸۶۱ع کو مولانا رفعت بھوپالی کو لکھا هے[۵]:

۱۔ عود:۳۰۔ ۲۔ اردوے معلی: ۲۳۹۔ ۳۔ عود: ۳۶ اردوے معلی: ۱٤٤۔ ٤۔ خطوط: ۷۸/۱
۵۔ انشاے نور چشم: ۵۱۔

79
579

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«از دیرباز بنظم و نثر نمی گرایم۔ نظم ،خواهی پارسی و خواهی اردو، خوایست فراموش۔»

دلی کی بربادی کی یاد ابھی تک دل سے فراموش نہوئی تھی۔ ۲۳ مئی ۱۸۶۱ء کو مجروح کے خط میں انتہائی درد ناک الفاظ میں فرماتے ہیں[1]:

«نظام الدین ممنون کہاں؟ ذوق کہاں؟ مومن خاں کہاں؟ ایک آزردہ، سوخاموش، دوسرا غالب، وہ بے خود و مدهوش۔ نہ سخنوری رهی، نہ سخندانی۔ کس برتے پر تتا پانی۔ ھاے دلی! واے دلی! بھاڑ میں جائے دلی!»

۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء کے بعد کسی تاریخ کو علائی کو لکھتے ھیں[2]:

«بھائی، تمھارا باپ بد گمان ھے۔ یعنی، مجکو زندہ سمجھتا ھے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ:

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی　　بد است مرگ، ولی بدتر از گمانِ تونیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑ رهی ھے، وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ھے۔ زندہ ہوتا تو وهیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر سے یہ تکلیف اُٹھوالو، اور تم اس زمین میں چند شعر کہ کر بھیج دو۔ میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا۔ عصاے پیر بجاے پیر۔»

اگلے سال تک ترکِ شعر گوئی نے تنفر کی شکل اختیار کرلی، اور ۱۹ جون ۱۸۶۳ء کو میرزا صاحب نے جنون بریلوی کو صاف لکھ دیا کہ[3]:

«کتاب سے نفرت، شعر سے نفرت، جسم سے نفرت، روح سے نفرت۔»

اور جب تفتہ نے کسی غزل کی اصلاح کے سلسلے میں لکھا کہ آپ مجھے ایک مطلع لکھ دیجیے، تو اُنھیں طنزیہ لکھا[4]:

«سبحان اللہ! تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرعے موزوں کرنے پر قادر ہوں، جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو؟»

٤ جنوری ۱۸٦٤ء کو جنون بریلوی کے خط میں افسوس کرتے ہوے تحریر کیا[5]:

«اگر مجھے قوتِ ناطقہ پر تصرف باقی رہا ہوتا، تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔»

۱۔ عود: ۷۰، اردوے معلی: ۱۰۹، خطوط: ۱/۲٦۸۔　۲۔ اردوے معلی: ٤۱٦، خطوط: ۱/۳٤۱۔

۳۔ عود: ٦۷، اردوے معلی: ۲۱۰، خطوط: ۱/۱۳۱۔　٤۔ خطوط: ۱/۹۱۔　۵۔ اردوے معلی: ۲۰۹، خطوط: ۱/۱۳۲۔

Scanned with CamScanner

8:44
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

۱۸٦٤ع میں میرزا صاحب کی یہ حالت ہوگئی کہ اُنھوں نے تفتہ کو لکھا کہ «شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی»[۱] اور پھر ایک موقع پر برہم ہوکر ارشاد فرمایا[۲]:

«کس ملعون نے بسببِ ذوقِ شعر اشعار کی اصلاح منظور رکھی؟ اگر میں شعر سے بیزار نہوں، تو میرا خدا مجھ سے بیزار!»

دسمبر ۱۸٦٥ع میں علائی کی فرمایش پر ٦ شعر لکھ کر بھیجے اور خط میں لکھا[۳]:

«بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں، اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں۔»

مگر یہ واقعہ ہے کہ میرزا صاحب نے ابتلا کے زمانے میں، جو اُن کی ادبی عمر کا تقریباً آدھا حصہ ہے، جو کچھ بھی کہا ہے اُس میں بختگی، سنجیدہ ظرافت، اُچٹتی ہوئی اُفتادگی اور موہ لینے والی سادگی و پرکاری پوری طرح نمایاں ہے، اور یہی ہے کلام کا وہ درجہ جسے اصطلاحاً «سہلِ ممتنع» کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آخرِ عمر میں اُنھیں اس کا احساس ہوگیا تھا اور اس لیے اپنے کلام کے رتبے اور اُس کی آیندہ مقبولیت کے پیش نظر اُنھوں نے شاکر کو لکھ دیا تھا[٤]:

«نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزدِ دانا و توانا کی اعانت سے خوب ہوچکا۔ اگر اُس نے چاہا، تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قایم رہے گا۔»

جدید ترتیب دیوان

اپنی قلمروِ سخن کے آئین، یعنی دواوینِ فارسی و اردو کو میرزا صاحب زندگی بھر دستی اور مشینی دونوں ذرائع سے شائع کرتے رہے۔ اسی لیے اُن کے فارسی و اردو کلام کے «خود اشاعت» نسخے خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ جس دیوان کو اپنے نخلستانِ فرہنگ کا «برگِ دژم» قرار دیتے تھے، اُس کی اشاعت میں بمقابلۂ دیوانِ فارسی کم سرگرمِ کار رہے ہوں گے، لیکن واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اطرافِ ملک سے اسی برگِ دژم کی مانگ زیادہ آتی تھی، اور اسی لیے اس کی ترمیم، تصحیح، نقل اور تزئین میں اُنھیں مشغولیت بھی زیادہ رہتی تھی۔

۱ - خطوط:۱/۹۷ - ۲ - ایضاً:۹۲ - ۳ - اردوے معلی: ۳۹٤، خطوط: ۱/۳٦۸ - ٤ - عود: ۱۵۷ اردوے معلی: ۲۱۵ -

81
579
Scanned with CamScanner

8:44
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

میرزا صاحب کے بعد اُن کے ہواخواہوں نے بھی اسی آئین کی اشاعت اور تشریح و توضیح کی طرف زیادہ توجہ کی۔ منشی نولکشور کے تین آنے چھ پائی کے سستے نسخے سے ایک سو بارہ رُپے کے چغتائی ایڈیشن تک اسی کی ہزاروں کاپیاں دنیا بھر میں پھیلیں، اور خواجہ حالی مرحوم کی توضیحِ اشعار سے شروع کر کے مولانا غلام رسول مہر کی تازہ شرحِ اشعارِ غالب تک متعدد شرحیں اسی کی شائع ہوئیں۔

میرزا صاحب کی زندگی میں جو نسخے چھپے، وہ اُنھیں پسند نہ آئے، اور اُنھوں نے دہلی کے چھاپے خانوں کے متعلق یہاں تک لکھ دیا[1] کہ «دلی پر اور اُس کے بانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت!» لیکن پچھلے چالیس پینتالیس برس کے اندر ایسے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، جو حسن و جمال میں لالہ زار اور کشتِ زعفران نظر آتے ہیں اور اس لیے اُن کی یہ حسرت کہ «ہائے! لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا اُس کو آسمان پر چڑھا دیا. حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا[2]»، اُن کی خواہش سے زیادہ پوری ہوگئی۔

ان سب اشاعتوں کے مشتملات اور اُن کی ترتیب میرزا صاحب کی زندگی کے مطبوعہ نسخۂ نظامی کانپور کے مطابق تھی۔ سب سے پہلے مولانا نظامی بدایونی نے ۱۳٤۱ھ (۱۹۲۲ع) کے ایڈیشن میں رام پور کے قلمی نسخۂ دیوانِ غالب سے جو منشی احمد علی شوق قدوائی کے پاس تھا اور اب خدا جانے کہاں ہے، مقابلہ کر کے زیادہ صحیح اور معتبر متن پیش کیا۔ اس سے کچھ ہی قبل مفتی انوارالحق نے نئی ترتیب کی طرف قدم اُٹھایا، اور غالب کا کُل اُردو کلام ایک خاص ترتیب سے «نسخۂ حمیدیہ» کے نام سے ۱۹۲۱ع میں شائع کیا۔ بعد ازاں ۱۹۲۸ع میں ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدرآبادی نے کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب سے مطالعہ کرنے کی ضرورت کا احساس کر کے پورے دیوان کو تاریخ وار مرتب کیا۔ مگر اُن کے مرتبہ نسخے کی طباعت مکمل نہ ہوسکی اور جتنا طبع ہوا وہ بھی ایک حادثے کی نذر ہوگیا۔ البتہ درمیانی اوراق کے چند اجزا کے پروف کسی طرح محفوظ رہ گئے تھے جو مجھے سید تمکین کاظمی مرحوم سے حاصل ہوئے۔

۱۹۳٦ع میں شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی کلامِ غالب کو تاریخ وار مرتب کرنے کا کام انجام دیا، اور اُردو کلام کے ساتھ فارسی اشعار کو بھی مختلف ادوار پر مرتب کرکے اپنی کتاب «غالب نامہ»

۱ - اردوے معلی:۱۵٤ -

۲ - ایضاً:۱٤۵ -

82
579
Scanned with CamScanner

8:46
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے جزو کی حیثیت سے پیش کیا۔ مگر اس میں ایک تو تصحیحِ اشعار کا کام نظر انداز کردیا گیا تھا۔ دوسرے متداول حصے کو ایک جگہ نہیں رکھا گیا تھا، جس سے اصل دیوان میں انتشار پیدا ہوگیا تھا۔

۱۹۳۸ء میں پیرزادہ محمد حنیف صاحب نے ایک نسخہ شائع کیا، جو ۱۸۴۷ء کے مطبوعہ ایڈیشن پر مبنی تھا۔ اس میں تمام اصنافِ سخن کو ردیف وار اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ ردیفِ الف کے سب اشعار، خواہ غزل کے ہوں یا کسی دوسری صنف کے، ایک جگہ جمع ہوگئے تھے۔ اس صورتِ حال نے اُن کے نسخے کو شتر گربہ کردیا تھا، اور وہ انڈکس ہوکر رہ گیا تھا۔

کتاب خانۂ رام پور کی طرف سے ۱۹۴۲ء میں «انتخابِ غالب» شائع ہوا، تو ملک کے اہلِ نظر طبقے نے اس کام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، اور ایک دیدہ ور عالم نے مرتب سے فرمایش کی کہ انتخاب کے انداز پر غالب کے مکمل دیوان کا بھی ایک نسخہ تیار کیا جائے۔ مرتب اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کام «جوے شیر» لانے سے کم ثابت نہ ہوگا۔ مگر اس بزرگانہ خواہش کی پشت پر وہ دلچسپی بھی کام کر رہی تھی، جو اُسے بچپن سے کلامِ غالب سے ہے۔ اس لیے اس کا وعدہ کرلیا اور کئی برس کی دیدہ ریزی کے بعد یہ نسخہ مرتب کیا، جو پہلی بار ۱۹۵۸ء میں ملک کے اربابِ فضل و کمال کے سامنے آیا اور پسند کیا گیا۔ اب مزید معلومات کے اضافے کے ساتھ دوسری بار پیش ہو رہا ہے۔

مشتملاتِ نسخۂ عرشی

اس نسخے میں میرزا صاحب کا وہ سب اردو کلام شامل ہے، جو اب تک اُن کے نام سے شائع ہوا تھا، یا مجھے اپنے مطالعے اور دوستوں کے لطف و کرم سے حاصل ہوا ہے۔ میں نے اسے حسبِ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) گنجینۂ معنی: اس حصے میں وہ تمام اشعار مندرج ہیں، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں تو موجود تھے، مگر ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) کے مرتب کیے ہوئے دیوان سے میرزا صاحب نے خارج کر کے یہ لکھ دیا تھا کہ:

Scanned with CamScanner

8:46
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«امید کہ سخن سرایانِ سخنورستای پراگندہ ابیاتی را کہ خارج ازین اوراق یابند، از آثار تراوشِ رگِ کلکِ این نامہ سیاہ نشناسند، و چامہ‌گردآور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند۔»

چونکہ اس حصے کے تقریباً سب شعر خیال آرائی اور معنی آفرینی کے طلسمی نمونے ہیں، اس لیے میرزا صاحب کے شعر:

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے — جو لفظ کہ غالبؔ، مرے اشعار میں آوے

کے پیش نظر اس حصے کو «گنجینۂ معنی» قرار دیا گیا ہے۔

(۲) نوائے سروش: یہ حصہ اُس کلام پر مشتمل ہے جو میرزا صاحب نے اپنی زندگی میں لکھوا اور چھپوا کر تقسیم کیا تھا اور جو عام طور پر «دیوانِ غالب» کے نام سے متداول اور مشہور ہے۔ یہی وہ کلام ہے جس کے بارے میں میرزا صاحب نے یہ دعوا کیا تھا کہ:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالبؔ، صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

اس لیے اسے «نوائے سروش» سے موسوم کیا گیا ہے۔

(۳) یادگارِ نالہ: اس جزو میں وہ کلام رکھا گیا ہے، جو دیوانِ غالب کے کسی نسخے کے متن میں تو نہ تھا، لیکن بعض نسخوں کے حاشیوں یا خاتمے میں، یا میرزا صاحب کے خطوں کے اندر، یا اُن کے نام سے دوسروں کی بیاضوں میں پایا گیا تھا، اور وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں چھپ کر اہلِ ذوق تک پہنچ چکا تھا۔ میرزا صاحب کا ایک شعر ہے:

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل بباد — یادگارِ نالہ، یک دیوانِ بے شیرازہ تھا

چونکہ حصۂ زیر بحث میں اُن کے اوراقِ لختِ دل کی شیرازہ بندی ہے، اس لیے اس حصے کو «یادگارِ نالہ» کہنے میں گویا میرزا صاحب کی تائید حاصل ہوجاتی ہے۔ اس حصے میں وہ اشعار بھی ہیں جو میری دانست میں معتبر ہیں اور وہ بھی جنھیں میں کلامِ غالب ماننے کو اُس وقت تک آمادہ نہیں جب تک کوئی مستند شہادت نہ مل جائے، چاہے اپنے انداز کے اعتبار سے وہ مستند اشعار سے کتنے ہی ملتے جلتے کیوں نہ ہوں۔ مثلاً اس حصے کے نمبر

84
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

۷، ۸، ۱۰، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۳۸، ۵۳، ۵۵—۵۷ اور ۶۹ کے کلامِ غالب ہونے میں مجھے شک ہے۔ رہیں آسی مرحوم کی غالب کے نام سے شائع کردہ غزلیں، تو اُنھیں قطعی طور پر کلامِ غالب نہیں کہا جاسکتا، اس لیے اُنھیں خارج کردیا گیا ہے۔

(٤) باد آورد: اس حصے میں نسخۂ عرشی زادہ کے ذریعے سے دریافت شدہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اس نسخے کا پتا ایسے وقت چلا کہ نسخۂ عرشی کا متن طبع ہوچکا تھا۔ صرف ایک آدھ جزو چھپنے سے باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے اسے آخر میں شامل کرنا ممکن ہوسکا۔ اگر اس کا بروقت علم ہوگیا ہوتا، تو یہ کلام گنجینۂ معنی کا حصہ ہوتا۔ اب اگلے ایڈیشن ہی میں اس کا اندراج صحیح مقام پر ہوسکے گا۔ چونکہ یہ دریافت غیر متوقع طور پر ہوئی تھی، اس لیے اس حصے کا نام «باد آورد» رکھا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی کی ترتیب

دیوانِ غالب کے تمام نسخوں میں مختلف اصنافِ شعر کی ترتیب یہ ہے:
دیباچہ، غزلیات، قصائد، مثنوی، قطعات، رباعیات، تقریظ۔

یہ ترتیب، سنتِ شعرا ہی کے خلاف نہیں، نسخۂ رام پور سے بھی مطابقت نہیں رکھتی، جو دیوان کا آخری مستند ایڈیشن ہے۔ اس لیے میں نے اپنے نسخے کی ترتیب نسخۂ رام پور کے انداز پر یہ رکھی ہے:

دیباچہ، قطعات، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات، تقریظ۔

بعد ازاں ہر حصے کے اصناف کو جداگانہ تاریخ وار مرتب کیا ہے، اور جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے، ہر ردیف کی غزلوں کو الگ حصہ قرار دے کر اُنھیں تاریخی حیثیت سے آگے پیچھے رکھا ہے۔ میرزا صاحب نے نسخۂ بھوپال کے متن کی اکثر غزلوں میں ۱۲۳۷ھ کے بعد نئے شعر بڑھائے تھے۔ بعض دوسرے نسخوں میں بھی اس قسم کے اضافے پائے جاتے ہیں۔ ان اشعار کو مذکورہ غزلوں سے جدا کر کے اُن کی تاریخی جگہ پر رکھنے کی جرات نہیں کی، کہ اس طرح غزلوں کے ٹکڑے ہوجاتے۔ ہاں، اُنھیں دوسرے اشعار سے ممتاز ضرور کردیا ہے، اور اس غرض کے لیے اس طرح کا پھول (۰) شعر کے محاذ میں بنادیا ہے۔

Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

میری کوشش تو یہی رہی کہ دیوان کے تمام اشعار کی واقعی یا تقریبی تاریخِ نظم کا پتا چل جائے، مگر عام حالات میں اکثر شعروں کا صرف تاریخی عہد متعین ہوسکا ہے۔ اس کام میں دیوانِ غالب کے اُن نسخوں سے بھی مدد ملی ہے جو مختلف زمانوں میں لکھے گئے یا چھپ کر شائع ہوئے تھے، اور تاریخوں، تذکروں، معاصر شاعروں کے دواوین اور قدیم و جدید اخباروں اور رسالوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ نسخۂ حمیدیہ سے مخطوطۂ بھوپال کی غزلیات کی صحیح ترتیب معلوم نہیں ہوتی۔ پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے پہلی بار ۱۹۶۹ء میں اس نسخے کا کلام اصل ترتیب کے ساتھ شائع کیا ہے۔ نسخۂ عرشی زادہ سے ترتیبِ کلام کے بارے میں اور بھی قدیم معلومات سامنے آئی ہیں۔ اس کے باعث نسخۂ بھوپال تک کا کلام ازسرِ نو ترتیب کا متقاضی ہے۔ یہ کام انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں کیا جائے گا۔

اختلافِ نسخ

دوسری تمام کتابوں کی طرح دیوانِ غالب کے سب نسخوں کا متن بھی یکساں نہیں۔ ان میں کتابت کی غلطیاں بھی ہیں اور خود میرزا صاحب کی ترمیمیں اور اصلاحیں بھی۔ اختلافاتِ نسخ شاعر کی دماغی رفتار کے تمام نقوش و آثار پر مشتمل ہونے کے باعث خصوصی توجہ کے مستحق تھے۔ اس لیے نسخۂ بھوپال سے شروع کر کے انتخابِ غالب اردو کے مسودے تک ہر اصلاح کو بصورتِ حواشی ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا، نسخۂ عرشی زادہ متنِ دیوان کی طباعت کے بعد دستیاب ہوا تھا۔ اس لیے اس سے متعلق معلومات کو «استدراک» کے تحت عرشی زادہ نے مرتب کردیا ہے جو الگ باب کی حیثیت سے شامل ہے۔

جہاں تک نسخۂ عرشی کے متن کا تعلق ہے، اس میں میرزا صاحب کی آخری اصلاح پیش کی گئی ہے، اور باقی ترمیموں کو اختلافِ نسخ میں جگہ دی ہے۔ لیکن کہیں کہیں کسی خاص وجہ سے اس کے خلاف بھی عمل میں آیا ہے۔ مثلاً میں نے اس امر کی بھی سعی کی ہے کہ میرزا صاحب نے آخری زمانے میں اپنے کلام میں جو اصلاح کی ہے اُسے خوش ذوقی کے پیمانے سے بھی ناپوں۔ اگر میری دانست میں اُن کی یہ سعی خوب کو خوب تر

86
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بنانے والی معلوم ہوتی ہے، تو اُسے متن میں رکھا ہے۔ ورنہ متن کے اندر پرانے لفظوں کو برقرار رکھ کر حاشیے میں اصلاح کا تذکرہ کردیا ہے۔ بظاہر یہ اصولِ ترتیب و تصحیح سے انحراف ہے۔ مگر آخر اصول میں کسی قدر لچک بھی تو ہوا کرتی ہے۔ میرزا صاحب کا مشہور شعر ہے:

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے

نسخۂ رام پور جدید کی جو نقل ۱۸۶۳ء میں منشی شیونرائن کے اہتمام سے چھپی ہے، اُس میں پہلا مصرع یوں ہے:

ہے زلزلہ و صرصر و سیلاب کا عالم

میری دانست میں اس شعر پر یہ اُن کی آخری اصلاح ہے۔ مگر پہلی بات تو یہ کہ جدید مصرع شعر کے مصرعِ ثانی سے زیادہ میل نہیں کھاتا۔ مصرعِ ثانی میں محبوب کی آمد کی حیثیت ایک چھلاوے کی سی ظاہر کی گئی ہے۔ یعنی وہ دم بھر میں نظر آکر غائب ہوجاتا ہے۔ یہ کیفیت قدیم مصرع سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے، اصلاحی شکل سے نہیں ہوتی۔ زلزلے، صرصر اور سیلاب کے گزرنے پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگرچہ وہ آیا مگر اُس کا آنا معلوم ہی نہ ہوا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے گردوپیش کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے اور نتیجے میں تباہی و بربادی کے ایسے نقوش چھوڑ جاتا ہے جو مدتوں تک باقی رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف صاعقہ، شعلہ اورسیماب کا جلوہ دم بھرکا ہوتا ہے۔ مزید برآں مجھے محبوب کے لیے تباہکاری و بربادی کا نقشہ پسند نہ آیا۔ محبوب کی شوخ طبعی اور سیماب مزاجی کے ذکر میں جو لطف ہے وہ اُس کے ظلم و جور کے بیان میں کہاں۔ اس بات کو اُنھوں نے دوسری جگہ یوں کہا ہے:

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

اسی لیے میں نے پرانے لفظوں کو متن میں اور اصلاحی شکل کو حاشیے میں جگہ دی ہے اور متوقع ہوں کہ اصولِ متعارفہ سے اس انحراف کو پسند فرمایا جائے گا۔

87
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

زیر مطالعہ نسخے

اس ایڈیشن کی تیاری میں دیوان کے جن قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے مدد لی ہے اُن کی کیفیت حسبِ ذیل ہے:

الف: قلمی نسخے

۱ ۔ نسخۂ عرشی زادہ ۔ اس کی علامت ع ہے ۔

دیوانِ غالب کے قلمی نسخوں میں یہ نسخہ سب سے قدیم اور کاملاً بخطِ غالب ہونے کی وجہ سے معتبر اور اس لیے سب سے افضل اور اہم ہے ۔ یہ ۵ اپریل ۱۹۶۹ع کو بھوپال میں دریافت ہوا. اور یکم مئی ۱۹۶۹ع کو مجھے اس کے مطالعے کا موقع ملا ۔ اس نسخے میں ۶۳ ورق ہیں ۔ ورق ۱ الف سادہ اور بے نشان ہے ۔ ورق ۶۳ ب بھی سادہ تھا. جس پر بعد میں چند الفاظ بخطِ غالب اور تین شعر حاشیے کی غزلوں والے خط میں درج ہوئے ہیں ۔ کہیں صفحے یا ورق کا نمبر نہیں ڈالا گیا ہے ۔ رکاب بھی صرف ابتدائی تین صفحات پر ہے ۔ کاغذ دیسی ہاتھ کا بنا ہوا ہے ۔ اشعار کا اندراج ترچھا بیاض نما ہے ۔ مکتوبہ حصے کا طول ۶۰۴ اور عرض ۴۰۲ انچ ہے ۔ اگر حاشیے کو بھی ناپ میں شامل کرلیا جائے، تو طول ۹ انچ اور عرض ۶۰۲ انچ ہو جاتا ہے ۔ مکمل متن نہایت خوش خط شفیعا ہے ۔ روشنائی سیاہ ہے ۔ پیشانیِ کتاب کی عبارت ہے:

یا علی المرتضٰی علیه و علی اولاده الصلواة والسلام
یا حسن بسم الله الرحمٰن الرحیم یا حسین
ابوالمعالی میرزا عبدالقادر بیدل رضی الله عنه

بسم الله الرحمٰن الرحیم کے علاوہ تمام عبارت شنجرف سے لکھی گئی ہے ۔ تخلص کے لیے ہر جگہ بیاض چھوڑی تھی، تاکہ تکمیلِ کتابت کے بعد ان مقامات کو شنجرفی روشنائی سے پُر کر دیا جائے ۔ مگر بعد میں یہ اہتمام صرف ورق ۲ ب کالم ۱ تک ہی ہوسکا ہے ۔ باقی ماندہ مقامات یا تو سادہ رہ گئے یا تخلص سیاہ روشنائی سے لکھ دیا گیا ۔

اس نسخے میں غزلوں کی تعداد ۲۵۴ ہے، جن میں سے ۲۴۰ متن میں مندرج ہیں ۔ حاشیے

88
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کی غزلیں دو مختلف خطوں میں ہیں۔ ان میں سے ردیف ن کی ایک غزل مکرر نقل ہوئی ہے۔ اُردو رباعیاں گیارہ ہیں۔ مگر خدا جانے کیوں، فارسی کی ۱۳ رباعیاں بھی اُردو رباعیوں سے قبل تحریر کی گئی ہیں۔

اس نسخے کی پہلی غزل: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا، ورق ۱ ب پر اور آخری غزل: سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ہے، ورق ۶۰ ب پر ہے۔ اس کے مقطع کے بعد ورق ۶۱ الف پر لکھا ہے: «تمام شد غزلیات بعونہ تعالا فقط»۔ آیندہ کلم سے «عنوانِ صحیفۂ رباعیات» لکھ کر فارسی رباعیات شروع کی ہیں۔ ورق ۶۲ الف کے آخری کلم سے اردو رباعیاں شروع ہوئی ہیں، جن کا اختتام «تمت تمام شد» کے ساتھ ورق ۶۳ الف پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد چار سطری ترقیمہ ہے۔

اس نسخے کے متن کے اردو اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

غزلیات

الف	۳۱۲	ح	۵	ع	۱۰	م	۳۵
ب	۱۲	د	۲۸	غ	۱۱	ن	۱۶۲
ت	۱۱	ر	۴۴	ف	۱۱	و	۴۱
ث	۱۳	ز	۴۴	ك	۵	ہ	۵۰
ج	۱۴	س	۱۶	گ	۸	ی	۶۴۸
چ	۱۴	ش	۱۴	ل	۳۳		

رباعیات ۲۲

۱۵۶۳

متن کے علاوہ ردیف، الف، ع، گ، اور واو میں ایک ایک، اور ی میں تین، کل سات شعر بخطِ متن حاشیوں میں یا بین السطور میں بڑھائے گئے ہیں۔ جو غزلیں حاشیوں پر بخطِ غیر اضافہ کی گئی ہیں، وہ ردیف ن، و اور ی کی ہیں۔ ان کے اشعار کی کل تعداد ۱۲۲ ہے۔ ان میں ردیف ن کی ایک غزل مکرر ہے، اس لیے اس کے اشعار کو شمار نہیں کیا گیا۔ ردیف ی کی ایک غزل

89
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے تین ابتدائی شعر: مہاد، کیے ہوئے، مژگاں کیے ہوئے، اور گریباں کیے ہوئے، کسی وقت جلد بند کی تراش میں ضائع ہوگئے ہیں۔ اُنھیں بھی شمار کیا جائے، تو اشعار کی تعداد ۱۲۵ ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نسخے میں بخطِ متن ۱۵۷۰ اردو شعر ہیں، جن کی تعداد بخطِ غیر اشعار کو شامل کر کے (۱۲۲ + ۱۵۷۰) ۱۶۹۲ ہوتی ہے۔ اور اگر ضائع شدہ مذکورہ اشعار بھی موجود ہوتے، تو یہ تعداد (۱۲۵ + ۱۵۷۰) ۱۶۹۵ ہوجاتی۔

میرزا صاحب نے ورق ۲۸ الف پر ردیفِ نون کی غزل کے ایک شعر «تماشا کہ... تمنا سے ہم دیکھتے ہیں» کے بعد «تا ایں جا نوشتہ ام» اور آئندہ شعر «سراغِ تفِ نالہ... نقشِ قدم دیکھتے ہیں» سے پہلے «ازیں جا شروع» لکھا ہے، جو زیرِ بحث مخطوطے سے تیار ہونے والے آئندہ نسخے میں تکرارِ نقل سے بچنے کی غرض سے ہے۔ متعدد غزلوں پر صاد بنایا گیا ہے، اور یہ علامت دو غزلوں پر شنجرفی اور باقی مقامات پر سیاہ ہے۔

غزلوں میں سے ۲۵ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے ایک غزل «....دمِ چند رہا» پہلے سے معلوم تھی۔ مگر تذکرۂ ہمیشہ بہار کے غلط انتساب نے اس کا کلامِ غالب ہونا مشکوک بنا دیا تھا۔ اب زیرِ بحث نسخے میں اس کی موجودگی سے یہ شک دور ہوگیا۔ ۱۲ غزلوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا گیا ہے، جو اس کی علامت ہے کہ اس سے جو نسخہ نقل کیا جائے اُس میں یہ غزلیں شامل نہ ہوں۔ مگر ایک قلمزد غزل آئندہ نقل ہوئی ہے۔ دو غزلوں کو نظری قرار دیا ہے، تاہم یہ نسخۂ بھوپال میں موجود ہیں۔ مطبوعہ غزلوں میں بھی ۲۲ نئے شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ سارا غیر معروف کلام بادآورد کے تحت اندراج پاچکا ہے۔ فارسی رباعیوں میں سے ۱۲ کلیاتِ نظمِ فارسی کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں۔ ایک رباعی قدرے اختلاف کے ساتھ کلیاتِ فارسی میں شامل ہے۔

اس مخطوطے کا متن اور اصلاحات دونوں میرزا صاحب کی معروف املائی خصوصیات کی حامل ہیں۔ البتہ دو حرف ذ اور ط جنھیں میرزا صاحب نے عربی الاصل قرار دے کر فارسی الفاظ میں ترک کر دیا تھا، اس میں پائے جاتے ہیں، جو اس کا ثبوت ہیں کہ اُن کا یہ عقیدہ زیرِ بحث مخطوطے کی تکمیل کے بعد کا اختیار کردہ ہے۔ کئی مقامات پر میرزا صاحب

90
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

سے سہو بھی ہوا ہے، جس کی نشاندھی استدراک میں کی جاچکی ہے۔ حواشی کے اندراجات دو مختلف اشخاص کے قلم سے ہیں جو بدخط بھی ہیں اور املا کی غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ یہ ان کی کم سوادی کی دلیل ہے۔ مثالیں استدراک میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہ نسخہ از روے زمانہ نسخۂ بھوپال سے مقدّم ہے۔ اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جو غزلیں نسخۂ مذکور اور نسخۂ بھوپال میں مشترک ہیں، اُن کے مختلف شعروں کا متن زیرِ بحث نسخے میں پہلے اور تھا، بعد میں میرزا صاحب نے ترمیم کردی ہے۔ نسخۂ بھوپال میں وہ شعر ان ترمیم شدہ الفاظ کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) نسخۂ بھوپال میں ہے:

مطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے، غالب   ساز پر رشتہ پۓ نغمۂ بیدل باندھا

نسخۂ زیرِ بحث میں مصرعِ اول پہلے یوں تھا:

وہ نفس ہوں کہ، اسد، زمزمۂ فرصت نے

پھر اُسے قلمزد کر کے دوسرے مصرع کے نیچے لکھا:

وہ نفس ہوں کہ، اسد، مطربِ دل نے مجھ سے

نسخۂ بھوپال کا مصرع ان دونوں اصلاحوں کے بعد کہا گیا ہے۔ دوسرا مصرع نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے اس طرح تھا: رشتہ بر ساز پۓ نغمۂ بیدل باندھا۔ بعد ازاں اُسے "ساز پر رشتہ" کر دیا جیسا کہ نسخۂ بھوپال میں ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ نسخۂ بھوپال کا متن بعد کا ہے۔

(۲) نسخۂ بھوپال کا شعر ہے:

اسیرِ بے زباں ہوں، کاشکے! صیادِ بے پروا   بدامِ جوہرِ آئینہ ہو جاوے شکار اپنا

زیرِ بحث نسخے میں پہلے مصرعِ اول یوں تھا:

گرفتارانِ الفت بے زباں ہیں، کاش! صیادے

پھر اُسے قلمزد کر کے حاشیے پر لکھا ہے:

اسیرِ بے زبانی ہوں، مگر صیادِ بے پروا

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نسخۂ بھوپال میں تیسری بار اصلاح ہوئی ہے۔

91
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

(۳) نسخۂ بھوپال میں ہے:

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بیزبانی ھے   مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا

نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے "بیزبانی ھا" تھا۔ اسے کاٹ کر "بے زبانی ہے" بنایا ہے۔ دوسرے مصرع میں موجودہ نسخے کے اندر "مٹا" کی جگہ "گیا" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کی اصلاح ہے۔

(٤) نسخۂ بھوپال میں ہے:

اُگی اك پنبۂ روزن سے بھی چشمِ سفید آخر   حیا کو انتظارِ جلوہ ریزی کے کہیں پایا

نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے یوں تھا:

اُگی چشمِ سفید از پنبۂ روزن، تماشا ہے

پھر آخری الفاظ قلمزد کر کے جو متن قرار دیا نسخۂ بھوپال میں وہی نقل ہوا ہے۔

(٥) نسخۂ بھوپال میں ہے:

لکھی یاروں کی بدمستی نے میخانے کی پامالی   ہوئی قطرہ فشانی ھائے مے بارانِ سنگ آخر

نسخۂ زیرِ بحث میں مصرعِ اول پہلے یوں تھا:

ز بدمستیِ مینوشاں ہوا ویرانہ مے خانہ

اسے قلمزد کر کے حاشیے پر وہ مصرع لکھا ہے جو نسخۂ بھوپال کے متن میں ہے۔

اس مخطوطے کے نسخۂ بھوپال سے اقدم ہونے کی ایك اور دلیل یہ ہے کہ اس کی ہر غزل میں اسد تخلص نظم کیا گیا ہے۔ غالب تخلص کی ایك غزل بھی متن کے اندر نظر نہیں آتی۔ اس کے برخلاف نسخۂ بھوپال میں دونوں تخلص استعمال ہوئے ہیں۔ ہاں اس نسخے کے کچھ مقطعوں میں میرزا صاحب نے اصلاح کرتے ہوئے بجائے اسد کے غالب تخلص ڈالا ہے۔ نسخۂ بھوپال میں ایك دو کے علاوہ یہ سب مقطع غالب تخلص کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نسخۂ بھوپال، نسخۂ زیرِ بحث کے بعد کا ہے۔ مثالاً:

(۱) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

شمع ہوں، تو بزم میں جا پاؤں مانندِ اسد   بے محل، اے مجلس آرائے نجف، جلتا ہوں میں

92
579
Scanned with CamScanner

8:48
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بعد ازاں «مانندِ اسد» قلمزد کر کے اُوپر لکھا: «غالبؔ کی طرح»۔ نسخۂ بھوپال میں یہ آخری شکل ملتی ہے۔

(۲) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے کہ اسدؔ — بہ رنگِ دشت دلِ پُر غبار رکھتے ہیں

بعد ازاں «کہ اسد» کی جگہ غالبؔ بنا دیا۔ نسخۂ بھوپال میں غالب ہی ہے۔

(۳) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

اسدؔ، وہ گل کرے جس گلستاں میں جلوہ فرمائی — چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

اس کے بعد مصرعِ اول کو قلمزد کر کے حاشیے پر لکھا ہے:

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے، غالبؔ

نسخۂ بھوپال میں یہی مصرع نقل ہوا۔

(۴) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا۔

وہ دیکھ کے حسن اپنا ہوتا ہے، اسدؔ، مغرور — صد جلوۂ آئینہ یک صبحِ جدائی ہے

پھر «اسدؔ مغرور» کو قلمزد کر کے بین السطور میں لکھا: «مغرور ہوا غالبؔ»۔ نسخۂ بھوپال میں یہی الفاظ ملتے ہیں۔

(۵) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

اسدؔ، اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما سمجھو — اگر گل بر قدِ شمشاد پیراہن نہ ہوجاوے

پھر اس کو یوں کردیا:

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما، غالبؔ — اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

اوپر جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اُس سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ نسخۂ زیرِ بحث زمانے کے لحاظ سے نسخۂ بھوپال سے پُرانا ہے، اور یہ کہ اس میں میرزا صاحب کی ترمیمیں بھی ہیں، جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ یہ خود شاعر کا نسخہ ہے۔

اس نسخے کے آخر میں حسبِ ذیل توقیمہ ہے:

«بتاریخِ چہاردہم رجب المرجب یومِ سہ شنبہ سنہ ہجری وقت دوپہر روز باقی ماندہ فقیر بیدل

93
579
Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متخلص بہ اسدؔ عفی اللہ عنہ از تحریرِ دیوانِ حسرت عنوانِ خود فراغت یافتہ بہ فکرِ کاوشِ مضامینِ دیگر رجوع بخیالِ روحِ میرزا علیہ الرحمۃ آورد۔ فقط۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ نسخۂ زیرِ بحث کی کتابت خود میرزا صاحب نے کی ہے اور یہ ایسا شرف ہے جو میرزا صاحب کے تا حال معلومہ قلمی نسخہ ہائے دیوان میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

منقولہ خاتمے کے لفظ سنہ کے اوپر ہندسے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ میرزا صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: کتاب ختم کرتے وقت وہ سرخوشی کے عالم میں ہوں اور سنہ کا اندراج یاد نہ رہا ہو، یا تخلص کی طرح سال کے ہندسے بھی شنجرف سے لکھنے کا ارادہ ہو جو عمل میں نہ آسکا، یا ہندسوں کا لکھنا ہی غیر ضروری جانا ہو۔ یہ آخری صورت بھی اُس زمانے کی روش اور میرزا صاحب کے مزاج دونوں کے پیشِ نظر بعید از قیاس نہیں[1]۔ بہر حال اُنھوں نے صراحت کردی ہے کہ منگل کے دن ۱۴ رجب کو اس کام سے فراغت پائی۔ ہمارے علم میں آچکا ہے کہ یہ نسخہ صفر ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) سے پہلے کا ہے، جو نسخۂ بھوپال کی تاریخِ کتابت ہے۔ خود اس دیوان کے ورق ۴۱ الف کے بائیں حاشیے پر میرزا صاحب کے قلم کی یہ تحریر ہے: «لعل خاں بتاریخِ اوّلِ صفر ۱۲۳۵ھ۔ در ماہہ ۲ رُپے ۸ آنے»۔ اس تحریر سے جہاں اُن کی جوانی کے ایک ملازم کا نام اور تنخواہ کا علم ہوتا ہے، وہاں یہ بھی یقین ہوجاتا ہے کہ دیوانِ مذکور یکم صفر ۱۲۳۵ھ سے پہلے کا مکتوبہ ہے۔ جنتری بتاتی ہے کہ اس سنہ سے چار برس پہلے ۱۲۳۱ھ میں منگل کے دن رجب کی چودہ تاریخ تھی، لہٰذا ہم باطمینان یہ کہہ سکتے ہیں کہ نسخۂ مذکور، میرزا صاحب نے منگل ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ کو تمام کیا، جو ۱۱ جون ۱۸۱۶ع کے مطابق ہے۔

میرزا صاحب رجب ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور اس دیوان کے اتمام کے وقت اُن کی عمر قمری حساب سے ۱۹ برس کی ہوگی دیوان کی غزلوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کم عمری میں خاصے مقامات پر شاعر کا تخیل کتنا گہرا اور طرزِ ادا کتنی دلآویز اور پختہ ہے۔ اگر نسخۂ بھوپال گم نہ ہوا ہوتا، تب بھی یہ نسخہ اس لیے قابلِ قدر تسلیم کیا جاتا کہ یہ اقدم

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نو دریافت دیوان غالب کے سنہ کتابت کا مسئلہ از عرشی زادہ، ماہنامہ تحریک، دہلی، مارچ ۱۹۶۰ع۔

94
579
Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بھی تھا اور خود بقلمِ شاعر بھی ۔ لیکن اب تو صرف یہی نسخہ ہے جو ہر لحاظ سے بے
اور نایاب ہے ۔

دو توجہ طلب امور اور عرض کردوں:

پہلا یہ کہ عنوان اور ترقیمہ دونوں میں میرزا بیدل کا عقیدت مندانہ ذکر کیا گیا ہے ۔ ا
سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک میرزا صاحب کے دل و دماغ پر بیدل کا پورا تسلط تھا ۔

دوسرا یہ کہ کتاب کا آغاز حضرتِ علی اور حضراتِ حسنین کے اسمائے گرامی سے ہ
ہے ۔ نیز اندرونِ کتاب میں بھی حضرتِ علی کے اسمِ مبارک پر علیہ السلام کی علامت ء بنا
گئی ہے جو شیعی عقیدے کے عین مطابق ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب
۱۹ سال کی عمر سے پہلے ہی شیعہ ہو چکے تھے ۔

۲ ۔ نسخۂ بھوپال ۔ اس کی علامت ق ہے ۔

دیوانِ غالب کے معلومہ قلمی نسخوں میں یہ دوسرے نمبر کا ہے[1] ۔ میں نے کل ہند انجمن ترق
اُردو کے اجلاسِ ناگپور (منعقدۂ ۱۹ ۔ ۲۰ ۔ ۲۱ جنوری ۱۹۴۴ع) سے واپسی میں خاص اس نسخے
کو دیکھنے کے لیے بھوپال میں دو دن قیام کیا تھا ۔ اس مختصر مدت میں اس گوہرِ بے ب
کی حالت بھی دیکھی اور جہاں تہاں سے اصل اور مطبوعہ نقل کا مقابلہ بھی کیا ۔ حالت یہاں بیا
کرتا ہوں ۔ مقابلے کا نتیجہ حواشی و استدراک میں ملاحظہ فرمائیے ۔

اس مخطوطے کا ناپ ۲۲ × ۸/۲۹ اور کاغذ عمدہ کشمیری ہے ۔ جدولیں رنگین اور طلائ
اور باریکا لاجوردی ہے ۔ روشنائی سیاہ اور عنوانات شنجرفی ہیں ۔ تعدادِ اوراق ۷۵ اور مسط
گیارہ سطری ہے ۔ ان اوراق کے علاوہ اول و آخر میں کھردرے دیسی کاغذ کے سادہ اوراق بھ
ہیں جن پر تکمیلِ کتابت کے بعد کچھ اضافے کیے گئے ہیں ۔

۱ ۔ سب سے پہلے اس نسخے کا علم سید سلیمان ندوی مرحوم کے شذراتِ معارف بابت ستمبر ۱۹۱۸ع سے ہوا تھا جس میں
انھوں نے بتایا تھا کہ کتب خانۂ حمیدیہ بھوپال میں مولوی عبدالسلام ندوی نے یہ انمول جواہر دیکھا ۔ سید صاحب کی تحریر کے
وقت یہ مخطوطہ عبدالرحمن بجنوری کے زیرِ مطالعہ تھا جو اسے انجمن ترقی اردو کی طرف سے اشاعت کے لیے مرتب کر رہے تھے ۔
چنانچہ معارف نے بھی بجنوری سے اس نسخے کے بارے میں مضمون کی فرمائش کی تھی ۔ لیکن بجنوری مرحوم کی بے وقت موت
کے باعث یہ دونوں کام انجام نہ پاسکے ۔

95
579
Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

شروع میں فوجدار محمد خاں بہادر[1] کی مہر ہے، جس میں سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸٤٥ع) منقوش ہے۔ کھردرے کاغذ کے ابتدائی سادہ اوراق میں سے پہلے دو ورقوں پر وہ فارسی غیر منقوط خط نقل کیا گیا ہے جو میرزا صاحب نے مولانا فضلِ حق خیرآبادی کو لکھا تھا[2]۔ ان دونوں ورقوں کے بعد دو اور انگریزی کاغذ کے ورق ہیں، ان بدیسی اوراق کی شمولیت بھوپال کا واقعہ معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلے کے رُخ ب میں شمسے کے اندر لکھا ہے:

«دیوانِ هذا من تصنیف میرزا نوشاہ دهلوی المتخاص به اسد۔ از کتبخانۂ سرکارِ فیض آثارِ عالی جاہ، عالم پناہ، میاں فوجدار محمد خاں بہادر، دام اقبالہ ـ قلمی ـ خوشخط ـ»

دوسرے ورق کے رُخ الف میں شمسے کے اندر فوجدار محمد خاں کی بڑی مہر ہے، جس میں بخطِ طغرا «فوجدار محمد خاں بہادر» منقوش ہے۔ اس مہر کا سنہ ۱۲۶۱ھ ہے۔ اصل دیوان کے ورق ۱ الف پر انھیں صاحب کی دو چھوٹی مہریں ثبت ہیں، جن میں سنہ ۱۲٤۸ھ (۱۸۳۲ع) منقوش ہے۔ یہ مہر کتاب کے اندر بھی کئی جگہ نظر آتی ہے۔

دیوان کا آغاز رنگین اور طلائی لوح کے تحت ہوا ہے، اور شروع میں قصائد درج ہیں۔ سب سے پہلا قصیدہ فارسی کا ہے، جس کا آغاز ہے[3]: بہرِ ترویحِ جنابِ والیِ یوم الحساب۔ یہ قصیدہ ورق ٤ الف پر ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد ٤ الف کی آخری سطر سے «قصیدۂ حیدری به تمہیدِ بہارِ مغفرت» شروع ہوا ہے، جس کا آغاز ہے: سازِ یك ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار۔ اس کا انجام ورق ۹ ب کی سطر ۲ پر ہوا ہے۔ اس کے بعد «ایضاً فی المنقبت» کے عنوان سے دوسرا اردو قصیدہ ملتا ہے، جس کا آغاز ہے: توڑے ہے عجزِ تنك حوصلہ بر روے زمیں۔ یہ قصیدہ ورق ۹ ب کی سطر ۳ سے شروع ہوکر ورق ۱۲ ب پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد اسی عنوان سے تیسرا قصیدہ شروع ہوتا ہے، جس کا آغاز ہے: جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی۔ یہ ورق ۱۲ ب کی سطر ٦ سے شروع ہوکر ورق ۱٤ الف پر تمام ہوتا ہے۔

ورق ۱٥ ب سے دوسری رنگین اور طلائی لوح کے تحت غزلیں شروع ہوتی ہیں۔ اس پورے حصے میں دو غزلوں کے درمیان ایك سطر سادہ چھوڑی گئی ہے۔ اس صورتِ حال کی

۱- موصوف الذکر، نواب غوث محمد خاں بہادر کے بیٹے اور نواب سکندر جہاں بیگم والیۂ بھوپال کے چھوٹے ماموں تھے۔ انھوں نے ذیحجہ ۱۲۸۱ھ (مئی ۱۸٦٥ع) میں انتقال کیا ہے۔

۲- ملاحظہ ہو، کلیات نثر، پنج آہنگ: ۳۱۔

۳- ملاحظہ ہو، کلیات فارسی: ٤۷ جہاں یہ بعنوان «قطعہ ٦۰ فاتحہ» مندرج ہے۔

96
579
Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

وجہ سے ہر صفحے پر بالعموم دس شعر نقل ہوئے ہیں۔ ان سادہ جگھوں میں معمولی خط میں، جگہ جگہ «ولہ» لکھا گیا ہے۔

آخر میں کاتبِ نسخہ نے شنجرفی روشنائی سے لکھا ہے:

«دیوان من تصنیف مرزا صاحب و قبلہ المتخاص بہ اسد و غالب، سلمہم ربہم، علی ید العبد المذنب حافظ معین الدین بتاریخِ پنجمِ شہرِ صفر المظفر سنہ ۱۲۳۷ من الہجرۃ النبویہ صورتِ اتمام یافت»

یہ ہجری تاریخ، یکم نومبر ۱۸۲۱ عیسوی کے مطابق ہے۔ اس عبارت کے نیچے پھر فوجدار محمد خاں کی چھوٹی مہر ہے۔

دیوان کے متن اور حواشی دونوں میں جگہ جگہ اصلاحیں اور اضافے نظر آتے ہیں۔ ان کا قلم، روشنائی اور روشِ خط تینوں مختلف ہیں، جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کام مختلف اوقات میں انجام دیا گیا ہے۔ دیوان کے آخری سادہ اوراق میں بھی بعد کی کہی ہوئی غزلیں لکھی ہیں، مگر یہ سب ردیفِ یا کی ہیں۔ حك و اضافے کا خط جگہ جگہ میرزا صاحب کے اُس خط سے ملتا ہوا ہے جس سے ہم آشنا ہیں۔ مثلاً: تو فسردگی نہاں ہے بکمینِ بے زبانی، میں کاتبِ متن نے شاید منقول عنہ میں لفظ «نہاں» نہ پڑھے جاسکنے کے باعث سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ میرزا صاحب نے اپنے قلم سے یہ لفظ لکھ کر اسے پُر کیا ہے۔ لیکن بعض مقامات پر یہ خط بالیقین میرزا صاحب کا نہیں معلوم ہوتا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُنھوں نے سرخوشی یا کسی دوسری وجہ سے کسی اور سے بھی یہ کام لیا ہے[1]۔

کچھ غزلوں کے آغاز کی سادہ جگھوں میں لفظ «غلط» لکھا گیا ہے، اور بعض غزلوں پر حرف «غ» اس طرح لکھا ہے کہ اُس کا سر، مطلع کے دونوں مصرعوں کے بیچ میں آیا ہے اور دائرے نے ساری غزل کو گھیر لیا ہے۔ یہ سب غزلیں وہ ہیں جو نسخۂ شیرانی میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔ چند غزلوں کے مقابل حاشیے پر «مکرر نوشتہ شد» لکھا ہوا ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جن کو متن کی دو یا تین ہمطرح غزلوں سے انتخاب کر کے ایك دو جدید شعروں کے اضافے کے ساتھ بترتیبِ نو لکھا گیا ہے، اور وہ بھی ہیں جن کے اشعار میں اصلاح ہوئی ہے۔

۱۔ نیز ملاحظہ ہو استدراك:۵۱۷ کالم ۲۔

97
579
Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ورق ۲۸ ب کے اوپر کے حاشیے میں لکھا ہے: «مقابلہ کردہ شد»۔ یہ اندرونی اصلاحوں کے قلم سے مشابہ ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان، عبدالعلی نام کے کسی صاحب کے مطالعے میں بھی رہ چکا ہے[1]۔ اُنھوں نے کئی جگہ اپنی پسندیدگیِ اشعار کا اظہار حاشیوں پر صاد بنا کر کیا ہے، اور اکثر جگہ اس صاد کے ساتھ اپنا نام بھی لکھ دیا ہے۔ ردیفِ غ کی پہلی غزل: «عشاق اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ»، کے متعدد شعروں کے مقابل «پسندِ عبدالعلی صد منہ» لکھا ہے۔ اسی ردیف کی دوسری غزل کے مقابل لکھا ہے: «پسندِ خاطرِ عبدالعلی»۔

ورق ۲۹ الف کے حاشیے میں باریکے کے اندر لکھا ہے: «محمد عبدالصمد مظہر»۔ «میرے لیے یہ صاحب بھی انجان ہیں[2]»۔

ترمیم و اضافے کی تحریریں ان دونوں کے خط سے مشابہ نہیں ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے آغاز کے سادہ اوراق میں سے ایک پر، کتاب کے حوالہ نمبر وغیرہ کے ساتھ، کسی محمد حسین کے دستخط بتائے ہیں[3]۔ میری رائے میں یہ صاحب کتب خانۂ حمیدیہ کے کوئی کارکن ہوں گے۔ ان کے علاوہ پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے ایک نام آغا علی بھی نوٹ کیا ہے[4]۔ یہ عبدالعلی کی تصحیف ہے اور شاید شکستہ ہونے کے باعث درست نہیں پڑھا جاسکا۔

آخری سادہ اوراق میں جو غزلیں اضافہ کی گئی ہیں، اُن کے آخر میں لکھا ہے:

«دیکھ تو عکسِ قدِ یار لبِ جو پر سے۔ تمام شد۔ کارِ من نظام شد۔ ربِ یسّر و تم بالخیر»۔

محولہ غزلیں، نیز مذکورہ عبارت، حاشیے کے اُسی بدخط میں ہے جس کا ذکر ہوچکا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان غزلوں کا اندراج بھی میرزا صاحب کے ایما سے ہوا ہے[5]۔

بدنما خط میں جو اصلاحیں ہیں، اُن میں املا کی غلطیاں بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً: «فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے» میں تقاضا کو «تقضا» لکھا ہے، یا «وارستگی، بہانۂ سنگی دل نہیں» میں «بہانے»، یا «بوسے میں وہ مضائقہ نکرے» میں «مضاعقہ»، یا «ہر ایک ذرۂ عاشق

---

۱ و ۲۔ ابو محمد سحر صاحب نے ان اشخاص کا بھوپالی ہونا دریافت کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کا تعلق زمانۂ حال سے ہے۔
۳۔ مجلۂ مکتبہ، حیدرآباد، مارچ ۱۹۳۹ء۔ ۴۔ دیباچۂ نسخۂ حمیدیہ، طبع لاہور: ۳۶۔
۵۔ نیز ملاحظہ ہو استدراک: ۵۱۷ کالم ۲۔

Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ہے آفتاب پرست» میں «زرہ» ، یا «خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں» میں «بھاگے نگے» لکھ دیا ہے۔

اس قسم کی غلطیاں میرزا صاحب جیسے شخص سے ۲۵ سال کی عمر میں سخت حیرت انگیز ہیں۔ اس بنا پر میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں کہ بدنما تحریریں کسی اور شخص کے قلم کی ہیں۔

اس نسخے کے اشعار کی تعداد میں خود نہیں گن سکا تھا۔ مفتی انوارالحق مرحوم نے اپنے مرتبہ نسخے میں مقدارِ کلام کا ایک نقشہ درج کیا ہے[1]۔ مگر اُنھوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ متن کے اشعار تک ہی محدود ہے، یا اس میں حواشی اور آخر کے سادہ اوراق کا اضافی کلام بھی شمار کرلیا گیا ہے۔ عرشی زادہ نے استدراک کی ترتیب کے دوران میں نسخۂ بھوپال کے چار مشاہدین (مفتی انوارالحق، ڈاکٹر سید عبداللطیف، پروفیسر حمید احمد خاں اور عرشی) کی فراہم کردہ اطلاعات کا تقابل کیا، جس سے مفتی صاحب کے نقشے کی توثیق ہوئی اور یقین ہوگیا کہ یہ صرف غزلیاتِ متن کے اشعار کا مظہر ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ مفتی صاحب نے از راہِ سہو لک، گ دو ردیفوں کے اشعار یکجا شمار کر کے اُن کا اندراج صرف ردیفِ لک کے تحت کیا ہے۔ اسی طرح عرشی زادہ نے تقابل کے بعد حواشی وغیرہ کے اشعار کا بھی تعین کر دیا ہے۔ اس تقابلی مطالعے کے نتائج کا خلاصہ یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال ۶۰ شعر کے ایک فارسی منقبتی قصیدے کے علاوہ اردو کے ۳ منقبتی قصیدوں، ۲۹۵ غزلوں اور ۱۱ رباعیوں پر مشتمل ہے۔ ان میں کی ۱۳ غزلیں حاشیوں (۱۲۲ شعر) پر اور ۷ غزلیں (۷۱ شعر) آخر کے سادہ اوراق میں نقل ہوئی ہیں۔ مکمل غزلوں کے علاوہ حاشیوں پر متن کی مختلف غزلیات کے ذیل میں ۱۱۲ شعر اضافہ کیے گئے ہیں، جن میں ۱۱۰ جدید اور ۲ قدیم شعر ہیں۔ یہ دو شعر نسخۂ عرشی زادہ کے متن میں موجود ہیں اور ظاہرا پہلے منسوخ قرار دیے جانے کے باعث نسخۂ بھوپال کے متن میں داخل نہیں ہوسکے۔ البتہ میرزا صاحب نے نظرِ ثانی کے وقت اپنے سابقہ فیصلے سے رجوع کر کے انھیں پھر شاملِ دیوان کر لیا۔ علاوہ ازیں متن کے ۱۹ مرسلہ اشعار اور ۲۸ دیگر اشعار حاشیوں پر مکرر درج ہوئے ہیں۔ بعض اشعار حاشیوں پر دو جگہ نقل کردیے گئے ہیں۔ یہاں اُنھیں تکرار سے

۱۔ ملاحظہ ہو تمہید نسخۂ حمیدیہ:۹۔

99
579
Scanned with CamScanner

8:49
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بچنے کے لیے شمار نہیں کیا گیا ۔ ذیل میں متن و حواشی وغیرہ کے اشعار کی تفصیل پیش کی جاتی ہے، جن کی مجموعی تعداد ۲۴۱۶ ہے ۔ اس گوشوارے میں حاشیے کے مرمّہ اشعار نیز دیگر مکررات محسوب نہیں ۔

متن کے اردو اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

قصائد	۲۰۶	الف	۴۰۵	ح	۵	ع	۱۳	م	۳۶
غزلیات	۱۸۸۳	ب	۱۳	د	۴۰	غ	۱۲	ن	۱۸۹
		ت	۱۱	ر	۵۶	ف	۱۱	و	۴۷
		ث	۱۳	ز	۵۹	ك	۲۱	ہ	۵۴
رباعیات	۲۲	ج	۱۴	س	۱۶	گ	۹	ی	۷۸۸
	۲۱۱۱	چ	۲۳	ش	۱۴	ل	۳۴		

حواشی اور آخر کے اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

الف	۷۷	ر	۴	م	۱
ب	۱۲	ز	۶	ن	۳۵
ت	۱۵	س	۸	و	۱۰
ث	۱	ف	۳	ہ	۱
ج	۱	ك	۳	ی	۱۱۶
د	۱	ل	۱۱		۳۰۵

مفتی صاحب کی رائے میں یہ نسخہ لکھا تو گیا تھا فوجدار محمد خاں بہادر بھوپالی کے لیے، لیکن کم سے کم ایک بار، اور ممکن ہے کہ چند مرتبہ، تصحیح و ترمیم کی غرض سے غالب کے پاس بھی گیا اور اُن کی نظر سے گزرا[1]۔ لیکن فی الحقیقت یہ میرزا صاحب ہی کے لیے لکھا گیا تھا، اور نسخۂ شیرانی و گلِ رعنا کی تیاری کے بعد تک اُنہیں کے پاس رہا ۔ اس لیے کہ اس کی تمام ترمیمیں اور اصلاحیں نسخۂ شیرانی میں موجود ہیں ۔ نیز اس میں اصلاح و اضافے کا کام گلِ رعنا کی ترتیب کے بعد تک جاری رہا ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرزا صاحب کا یہ

۱ ۔ تمید نسخۂ حمیدیہ:۶۔

100
579
Scanned with CamScanner

8:50
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

متداول مقطع:

ھستی کے مت فریب میں آجائیو، اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ھے

اس نسخے کے حاشیے میں نقل ھوا ھے، متن میں نہیں، جب کہ نسخۂ شیرانی کے متن میں اس غزل کا قدیم مقطع درج ھے، اور نسخۂ شیرانی نیز گلِ رعنا میں زیرِ بحث شعر کا مصرعِ اول:
«ھستی کے مت فریب میں آجائیو کہیں» ھے۔

اس سے معلوم ھوا کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے کی شکل بعد کی ھے اور نسخۂ شیرانی و گلِ رعنا کی روایت قدیم ھے۔ نیز نسخۂ بھوپال کے حاشیے کا مذکورہ اضافہ گلِ رعنا کی ترتیب کے بعد کا واقعہ ھے۔

بہر حال یہ نسخہ فوجدار محمد خاں بہادر کے کتاب خانے میں کب پہنچا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ۱۲۴۸ھ والی مہر بتاتی ھے کہ اس سال کے بعد ھی اسے وھاں باریابی حاصل ھوئی ھوگی، جو دیوانِ غالب کے متداول انتخاب کی تاریخِ ترتیب ھے۔

ریاست بھوپال کے ھندوستان میں انضمام کے بعد یہ گوھرِ بے بہا کتب خانۂ حمیدیہ سے گم ھوگیا۔ میں نے جب اس کے متعلق لائبریرین سے خط لکھ کر دریافت کیا، تو اُنھوں نے بتایا کہ حمید اللہ خاں صاحب نوابِ بھوپال نے انضمام سے پہلے اسے اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔ خود نواب صاحب مرحوم سے جناب آصف فیضی کی معرفت معلوم کیا، تو اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے پتا چلا ھے کہ وہ نسخہ کتب خانے سے غائب ھوگیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۳ - نسخۂ شیرانی - اس کی علامت ﺵ ھے -

تاریخی لحاظ سے یہ نسخۂ دیوان تیسرے نمبر کا ھے۔ اس سے نسخۂ بھوپال کی توثیق بھی ھوتی ھے اور نسخۂ حمیدیہ کی تصحیح بھی۔ پہلے یہ پروفیسر محمود خاں شیرانی مرحوم کی ملکیت تھا۔ اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاھور میں محفوظ ھے۔ اس کا عہدِ ترتیب ۱۲۴۲ھ ھے۔

اس کی تقطیع ۱۰۱/۲ × ۷ ۱/۲ انچ اور متن کا ناپ ۷ × ۳ ۱/۲ انچ ھے۔ تعدادِ اوراق ۱۰۹ اور مسطر ۱۱ سطری ھے۔ متن کی روشنائی کالی اور تخلص کی شنگرف ھے۔ مصرعوں کو جدا کرنے کے لیے درمیان میں سرخ جدولیں ھیں۔ نسخے کے کنارے آب رسیدہ ھیں، اور کئی آخری

101
579
Scanned with CamScanner

8:50
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ورق خفیف سے کرمخوردہ بھی ہیں۔

رکابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ورق ۱۶ کے بعد کم از کم ایک اور ورق ۲۶ کے بعد دو ورق کم ہیں۔ ورق ۱۰۶ کے بعد متعدد اوراق کا نقصان نظر آتا ہے۔

ورق ۱، الف پر «دیوانِ غالب اردو» لکھا ہے۔ اس کے علاوہ لائبریری کے بعض نمبر بھی درج ہیں۔ اس صفحے پر کتاب کا نام اور مذکورہ نمبر دونوں زمانۂ حال کے اندراجات ہیں۔ ۱، ب پر سرخ، سبز، نیلی اور سنہری لوح ہے، جس کے بیچ میں «یا فتاح» لکھا ہے۔ اس کے بعد «بسم اللہ» ہے اور پھر غزلیں شروع ہوکر ورق ۱۰۶ ب پر یکایک ختم ہوجاتی ہیں۔ ورق ۱۰۷ الف سے ۱۰۹ ب تک نونیہ قصیدہ ہے۔ اس کا آغاز کبھی غائب ہوگیا ہے۔ رباعیاں اس نسخے سے ساقط ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی اور عرشی زادہ کا قیاس ہے کہ زیرِ بحث نسخے میں بھی اصنافِ سخن کی ترتیب نسخۂ بھوپال کے مطابق تھی، یعنی پہلے قصائد پھر غزلیات اور آخر میں رباعیات تھیں۔ اس سلسلے میں عرشی زادہ کا کہنا ہے کہ یا تو کسی وقت جلد ساز کی غلطی سے حصۂ قصائد آخر میں مجلد ہوگیا ہے، یا کسی شخص نے مصلحتاً نقصانِ اوراق کا عیب چھپانے کی غرض سے حصۂ قصائد کے باقی ماندہ اوراق آخر میں مجلد کرادیے ہیں۔ ترتیب کے اس تغیر کے بعد غزلیات کی لوح سے کتاب کا آغاز اور نونیہ قصیدے کے آخری شعر پر کتاب کا اختتام ہوا جس کی وجہ سے بظاہر کتاب مکمل نظر آتی ہے اور اس کے نقص پر پردہ پڑجاتا ہے۔ عرشی زادہ نے اصل نسخے کی کیفیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ ثبوت بھی پیش کیا ہے کہ مذکورہ آب رسیدگی نے اوراق کے بائیں کناروں اور اُن کے دوسرے رُخ پر کچھ نشانات چھوڑے ہیں۔ حصۂ غزلیات کے ابتدائی اوراق (ورق ۱ الف تا ورق ۱۹ ب) اور حصۂ قصائد کے آخری اوراق میں جو نشان ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مماثلت رکھتے ہیں۔ البتہ درمیان کے اوراق (ورق ۲۰ الف تا ورق ۱۰۶ ب) میں یہ نشانات موجود نہیں۔ مبینہ شکل تبھی ممکن ہے جب کہ حصۂ قصائد بھی آب رسیدگی کے وقت آغاز ہی میں شامل ہو اور پانی کا اثر ان اوراق پر ایک ساتھ ہوا ہو۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے یہ دلیل دی ہے کہ چونکہ نسخۂ شیرانی کی ترتیب کا زمانہ غالب کے

102
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مذھبی رجحانات کی تندی کا ھے، اس لیے منقبتی کلام کا کتاب کے آخر میں درج ھونا کھٹکتا ھے۔ چونکہ مذکورۂ بالا دلائل خاصے اطمینان بخش ھیں، اس لیے یہ کہنا درست ھوگا کہ نسخۂ زیرِ بحث کے کچھ ابتدائی ورق، جن پر رائیہ اور یائیہ قصیدے، اور آخر کے کچھ ورق جن پر چند غزلیں اور رباعیاں تھیں، اوراق کی مذکورہ غلط ترتیب سے قبل ھی ضائع ھوگئے ھیں۔ چونکہ نسخۂ بھوپال کے قصائد اور رباعیات کا انتخاب متداول دیوان میں موجود ھے، اس لیے بالیقین یہ سارا کلام زیرِ بحث نسخے میں بھی شامل تھا۔ نیز نسخۂ بھوپال کی ایك غزل: شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ھے، زیرِ بحث نسخے میں نہیں، مگر متداول دیوان میں نظر آتی ھے۔ ایسی صورت میں یہاں اس کی غیر موجودگی نقصانِ اوراق ھی کے سبب سے ھوسکتی ھے۔

ساری کتاب کا حاشیہ دُھرا ھے۔ بیرونی حاشیے کی جدول نہایت باریك نیلی ھے۔ پھر ڈیڑھ انچ جگہ چھوڑ کر اندرونی حاشیے کی جدولیں پہلے نیلی اور پھر دُھری سرخ ھیں۔ ھر دو غزلوں کے درمیان ایك سطر بھر سادہ جگہ چھوڑی گئی ھے۔ جس مقطع کو دو سطروں میں لکھا ھے (اور بیشتر ایسا ھی ھے) اُس کے دونوں جانب کی جگھیں سادہ ھیں۔

ورق ۲ الف کے حاشیے پر صاد بنا کر متداول دیوان کا یہ مقطع نقل کیا گیا ھے:

بسکہ ھوں، غالب، اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موے آتش دیدہ ھے حلقہ مری زنجیر کا

نیز اسی صفحے کے نچلے حاشیے میں نسخے کا «ن» بنا کر «نادیدنی دعوت» کی جگہ متداول الفاظ «داغِ جگر ھدیہ» لکھے ھیں۔

ورق ۲ ب کے حاشیے میں «نقشِ سویدا کیا ھے عرض» کے لفظ «عرض» کی جگہ متداول لفظ «درست» نقل کیا گیا ھے۔

مذکورہ بالا تینوں اضافے حال ھی کے کسی شخص کے ھیں۔

ورق ۲ ب اور ٤ الف کے حاشیوں میں وہ غزل تحریر ھے جس کا پہلا مصرع ھے: «ستایشگر ھے زاھد اس قدر جس باغِ رضواں کا»، اور اس کا آغاز ان الفاظ سے ھوا ھے: «از باندہ فرستادند»۔

103
579
Scanned with CamScanner

8:50
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ورق ۹ الف کے حاشیے میں «ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا» سے شروع ہونے والی غزل خود میرزا صاحب نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔

ورق ۴۳ الف کے حاشیے میں «آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں» اور «ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں» خوش خط قلم سے تحریر ہیں اور ان میں سے پہلی کا عنوان ہے: «از بادہ رسید»۔ اس غزل کے ساتویں شعر میں لفظِ «ناز» میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بین السطور میں بڑھایا ہے۔

ورق ۴۳ ب کے حاشیے میں سابق غزل کا تتمہ اور «نالہ جز حسنِ طلب، اے ستم ایجاد نہیں» بعنوانِ «غزل» اور بخطِ خوش منقول ہیں۔

ورق ۵۶ الف کے حاشیے میں «وہاں پہنچ کر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو»

ورق ۶۱ الف کے حاشیے میں «ظالمکدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے»

اور ورق ۶۱ الف و ب کے حاشیوں میں «کب وہ سنتا ہے کہانی میری» بخطِ خوش اور بعنوانِ «غزل» تحریر ہیں۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کاتبِ متن ہی کے ہاتھ کی ہیں۔ لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ متن اور حاشیے کے حروف کی کششیں اور دائرے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ متن میں گ ہر ہر جگہ ایک ہی مرکز ہے۔ حاشیے میں اس کے برخلاف کہیں ایک اور کہیں دو مرکز بھی لگائے گئے ہیں۔ اسی طرح متن کے کاتب نے ث پر محض دو نقطے لگائے ہیں یا اُن نقطوں پر ط بھی بنائی ہے، مگر حاشیے کا کاتب صرف ط بناتا ہے۔ ان اختلافات کے پیشِ نظر یقین ہوجاتا ہے کہ حاشیے کے اضافے کسی دوسرے کاتب نے کیے ہیں۔

متعدد مقامات پر میرزا صاحب کے ہاتھ کی اصلاحیں ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) ورق ۳۸ ب سطر ۱۰ میں کاتب نے لکھا تھا: «گردِ ساحل ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک» میرزا صاحب نے «مجھے دیکھے» کو قلمزد کر کے اوپر «بہ زخمِ موجۂ» لکھا اور «وہ جس» کو چھیل کر «در» بنایا اور «جا» کو «یا» کردیا۔ بعد ازاں سطر ۱۲ میں یہ شعر اپنے قلم سے بڑھایا:

104
579
Scanned with CamScanner

8:50
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، واہ! واہ!

یاد کرتا ہے مجھے، دیکھیے ہے وہ جس جا غالب

اس اصلاح نے صفحے کی سطروں کی تعداد ۱۲ کردی ہے، نیز صفحے کی جدول کے نچلے حصے کو ایک سطر بھر نیچا کرنا پڑا ہے۔

(۲) ورق ۵۳ الف کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع «یعنی، ہمارے جیب میں ایک تار بھی نہیں» کا «میں» میرزا صاحب کے قلم کا اضافہ ہے۔

(۳) ورق ۷۶ ب پر کاتب نے لکھا تھا:

جنوں فسردۂ تمکیں ہے، کاش! عہدِ وفا

لہو میں ہاتھ کے بھرنے کو جو وضو جانے

یہاں کاتب نے از راہِ سہو پہلے شعر کا دوسرا مصرع اور دوسرے کا پہلا چھوڑ دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہ کمی اپنے ہاتھ سے اس طرح پوری کی ہے کہ پہلے کا دوسرا مصرع، مصرعوں کے بیچ کی سادہ جگہ میں اور دوسرے کا پہلا بین السطور میں لکھا ہے۔

(٤) ورق ۱۰۳ الف کے چھٹے شعر:

حیراں ہوں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر

یہاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برار ہے

میں لفظ «ہوں» میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

اس نسخے کا رسمِ خط وہی ہے، جو اُس زمانے میں مروج تھا۔ مثلاً اردو فارسی لفظوں میں «ذ» پائی جاتی ہے اور «خورشید» کو بواو ہی لکھا گیا ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ اُس وقت تک میرزا صاحب نے املاے الفاظ میں نئی راہ نہیں نکالی تھی، ورنہ پوری کتاب میں کہیں تو اس قسم کی اصلاح بھی کرتے۔

اس میں بعض الفاظ کا املا مروجہ اصول کے خلاف بھی ملتا ہے۔ مثلاً ژ کو کاتب نے ہر جگہ ز لکھا ہے، اس لیے مژہ اور مژگاں جیسے لفظ ہر جگہ بالزا لکھے گئے ہیں۔ مگر یہ میرزا صاحب ہی کے املا کی تقلید ہے۔ میں نے صرف ابتدا میں حاشیے کے اندر اس کی

105
579
Scanned with CamScanner

8:50
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

صراحت کردی ہے۔

ترتیبِ استدراک کے دوران میں نسخۂ زیرِ بحث سے متعلق عرشی زادہ نے مندرجۂ ذیل نتائج بھی اخذ کیے ہیں۔

(۱) کاتب حرفِ ث میں ط کے نیچے دو نقطے استعمال کرتا ہے۔ لیکن جگہ جگہ ط لکھنے سے رہ گئی ہے اور صرف دو نقطے لگے ہوے ہیں۔ ایسے اکثر مقامات پر غالب نے ط کا اضافہ کرنے کے بجائے اپنی مخصوص روش کے مطابق ط کے بدل کے طور پر دو مزید نقطے اپنے قلم سے بڑھائے ہیں۔

(۲) ہمزہ سے لکھے جانے والے بہت سے الفاظ و تراکیب میں کاتب سے ہمزہ ترک ہوگیا ہے۔ غالب نے ایسے اکثر مقامات پر بھی ہمزہ اپنے قلم سے بنایا ہے۔

(۳) باوجودے کہ غالب نے اغلاطِ کاتب درست کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی بہت سی غلطیاں نظر انداز ہوگئی ہیں، مثلاً: شوقِ بے پروا کے ہاتھوں مثلِ سازِ نا درست، میں لفظ «بے» موجود نہیں۔ یا «یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبارِ باغ» لکھا گیا ہے، دراں حالے کہ آخری لفظ ردیف ہے اور اس لیے اسے «داغ» ہونا چاہیے تھا۔

(٤) نسخۂ بھوپال کی تمام اصلاحیں اور اضافے نسخۂ زیرِ بحث میں موجود ہیں۔ البتہ درجِ ذیل مثالیں اس کے خلاف ہیں:

الف: پہلے نسخۂ بھوپال میں: «بقدرِ حسرتِ دل چاہیے عیشِ معاصی بھی» تھا، جس کا لفظِ «عیش» قلمزد کر کے «ذوق» لکھا گیا تھا۔ یہ اصلاح اس نسخے میں بھی نقل ہونی چاہیے تھی۔ مگر یہاں وہی قدیم لفظ «عیش» دھرایا گیا ہے۔ عجب نہیں جو غالب نے اپنی اصلاح سے رجوع کرلیا ہو۔

ب: پہلے نسخۂ بھوپال میں: ہستی کے مت فریب میں آجائیو کہیں، تھا۔ بعد ازاں «کہیں» کو «اسد» سے بدل کر اس شعر کو مقطع بنا دیا جو حاشیۂ نسخۂ بھوپال پر درج ہے۔ لیکن نسخۂ زیرِ بحث نیز گلِ رعنا میں وہی قدیم شکل نظر آتی ہے۔ البتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ اصلاح ترتیبِ گلِ رعنا کے بعد صورت پزیر ہوئی ہے۔

106
579
Scanned with CamScanner

8:50
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

(۵) اس نسخے میں اشعار کی بہت سی ایسی شکلیں ملتی ہیں جو نسخۂ بھوپال میں نہیں۔ مثلاً نسخۂ بھوپال میں ہے:

اب میں ہوں اور خونِ دو عالم معاملہ توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

لیکن نسخۂ زیرِ بحث میں مصرعۂ اول کی یہ اصلاحی شکل ہے:

اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہر آرزو

چونکہ نسخۂ بھوپال سے متعلق معلومات ناقص ہیں، اس لیے اس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ ان میں سے کچھ نسخۂ بھوپال میں موجود ہوتے ہوئے بھی ہمارے علم میں نہ آئی ہوں۔

(۶) مندرجۂ بالا کیفیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ زیرِ بحث کے درمیان ایک اور نسخہ بھی ہونا چاہیے، جس میں مذکورہ اصلاحیں کی گئی ہوں اور اُسی سے نسخۂ زیرِ بحث میں نقل ہوئی ہوں۔

(۷) نسخۂ بھوپال کی غزلوں کے ۲۲۲ شعر اس نسخے سے غیر حاضر ہیں۔ ان میں ۷۰ شعروں کی غیر موجودگی کا سبب اس نسخے کا ناقص ہونا ہے۔ گویا اصلاً نسخۂ بھوپال کے ۱۵۲ شعر ہی خارج قرار دیے گئے تھے۔ اگرچہ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ تعداد کچھ اور کم ہو۔

(۸) اس نسخے کے نقصانِ اوراق کے باعث دو مکمل قصیدوں کے ۱۰۶ اور ایک قصیدے کے ٤ کل ۱۱۰ شعر ضائع ہوگئے ہیں۔ اسی سبب سے ۱۱ رباعیوں کے ۲۲ شعر بھی ندارد ہیں۔

(۹) نسخۂ بھوپال میں موجود اور نسخۂ زیرِ بحث سے غیر حاضر کلام میں ۳۰ مکمل غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۹٤ ہے۔ ان کے علاوہ مختلف غزلوں سے ۲۸ شعر بھی خارج کیے گئے ہیں۔

(۱۰) قریب بہ یقین ہے کہ نسخۂ زیرِ بحث کے نقصانِ اوراق کی وجہ سے ایسا کوئی شعر ضایع نہیں ہوا جسے غیر معروف کہا جاسکے۔ البتہ بعض قرأتوں کا نقصان قرینِ قیاس ہے۔

(۱۱) نسخۂ بھوپال کی بہ نسبت متنِ نسخۂ شیرانی میں ۸ جدید غزلوں کے ٦٤ شعروں اور حاشیے میں ۸ جدید غزلوں کے ۸۷ شعروں کے علاوہ ٤۷ جدید شعر مختلف غزلیات میں زیادہ ہیں۔ ان کا حاصلِ جمع ۱۹۸ ہے۔

107
579
Scanned with CamScanner

8:51
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

(۱۲) قریب بہ یقین ہے کہ سات شعر کی ایک متداول غزل جس کا پہلا مصرع ہے : سادگی پر اس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے، نسخۂ زیرِ بحث میں موجود تھی۔ اس لیے کہ اس کے تین شعر گلِ رعنا میں انتخاب کیے گئے ہیں۔ اس کے اشعار کو بھی شمار کیا جائے، تو نسخۂ زیرِ بحث کے جدید اشعار کی تعداد ۲۰۵ ہوجائے گی۔

(۱۳) بصورتِ موجودہ نسخۂ شیرانی کے متن میں اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

غزلیات

الف	۴۰۷	د	۱۶	غ	۱۲	ن	۲۴۹
ب	۲۵	ر	۵۵	ف	۱۴	و	۴۴
ت	۳۳	ز	۶۰	ک	۲۴	ہ	۵۶
ث	۷	س	۲۴	گ	۹	ی	۹۰۹
ج	۱۵	ش	۱۴	ل	۴۰	قصیدہ	۵۳
چ	۱۴	ع	۱۳	م	۳۷		۱۹۸۰

(۱۴) نیز حواشی پر اضافہ شدہ غزلوں کے اشعار کی تعداد مندرجۂ ذیل ہے:

الف	۲۵	ن	۲۹	و	۱۲	ی	۲۲
							۸۸

۴۔ گل رعنا۔ اس کی علامت گل ہے۔

یہ میرزا صاحب کے اردو اور فارسی کلام کا پہلا انتخاب ہے، جو ۱۲۴۴ھ میں مولوی سراج الدین احمد کی فرمایش پر کیا گیا تھا۔

اس کا ایک مخطوطہ جناب مالک رام صاحب کو سید نقی بلگرامی صاحب سے دستیاب ہوا تھا۔ وہی میرے پیشِ نظر ہے۔

اس کا ناپ ۹ ۱/۲ × ۶ انچ ہے۔ مسطر ۱۳ سطری ہے۔ کاغذ ولایتی، باریک اور سفید ہے۔ خط معمولی نستعلیق ہے۔ متن کی روشنائی کالی ہے۔ تخلص شنجرف سے لکھا گیا ہے۔ جدولیں نیلی اور شنجرفی ہیں۔ کہیں کہیں کرمخوردگی کے نشان بھی پائے جاتے ہیں۔ حصۂ اردو میں

108
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org

تین مختلف اشعار کے تین مصرعوں کی جگہ کاتب نے بیاض چھوڑ دی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ منقول عنہ میں یہ مصرعے پڑھے نہ جاسکے۔

کتاب میں ۴۹ ورق ہیں۔ ورق ۱ ب سے دیباچہ شروع ہوکر ورق ٤ الف پر ختم ہوتا ہے۔ دیباچے کا آغاز «لا موثر فی الوجود الا اللہ» سے اور خاتمہ «نہم شوال سنہ ۱۲ ہجری» پر ہوا ہے۔ ورق ٤ ب سے اردو کلام کا انتخاب شروع ہوا ہے، جو ورق ۲٤ الف کی سطر ٥ پر تمام ہوگیا ہے۔ اس کے بعد فارسی نظم و نثر کا انتخاب ہے۔

اس کے اردو اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ٤٥٥ ہے:

الف	۱۱۳	ر	٦	ف	٤	و	۱۷
ب	۷	ز	٥	ك	٦	ہ	٤
ت	٥	س	٥	گ	۲	ی	۱۹۳
ث	۱	ش	۲	ل	۳		٤٥٥
ج	۳	ع	۳	م	۳		
د	٤	غ	۲	ن	٦۷		

تاریخی ترتیب کے اعتبار سے یہ انتخاب، نسخۂ شیرانی کے بعد کا ہے، کیونکہ اس میں اُن غزلوں کا انتخاب بھی شامل ہے، جو ۱۸۲٦ع یا اس کے بعد کہی گئی تھیں اور نسخۂ شیرانی کے حاشیوں میں درج ہیں۔ نیز اس کا متن بھی بالعموم نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے۔ اس کی ٥ متفرق غزلوں میں ایسے ۱۱ شعر بھی پائے جاتے ہیں جو اس سے پہلے کے کسی نسخۂ دیوان میں نہیں ملے۔

اس انتخاب میں قدیم اشعار کی بہ نسبت جدید اور جدید تر اشعار کی شمولیت پر زور دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لیے متنِ نسخۂ عرشی زادہ کے صرف ٦٦ شعر ہی منتخب قرار پائے، جو رنگِ بیدل کے طلسمی نمونے ہیں اور ۱٤ رجب ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۱ جون ۱۸۱٦ع تک تصنیف ہوچکے تھے۔ باقی ماندہ ۳۸۹ شعر مذکورہ تاریخ کے بعد کی تخلیق ہیں اور قدیم اشعار کے مقابلے میں خاصے سہل بھی ہیں اور پُر لطف بھی۔ طریقِ انتخاب میں سہل اشعار کی

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

پسندیدگی کا رجحان و رویہ، میرزا صاحب کے شاعرانہ مزاج کی تبدیلی کا خاموش اعلان اور مضامینِ خیالی سے اُن کی بیزاری کا واضح عملی ثبوت ہے۔ اس سے یقین ہوجاتا ہے کہ اب وہ اپنی مشکل گوئی کی بے لطفی سمجھ گئے تھے، نیز معترض حضرات کو جاہل کے بجاے سخورانِ کامل کہہ کر طنز کی لے تیز تر کرنے کے باوجود اعتراضات کا وزن محسوس کرنے لگے تھے اور دل سے اُن کے قائل ہوکر بیدل کا طلسمی رنگ اپنے دامن سے چھڑاتے جارہے تھے۔

زیرِ نظر مخطوطہ ۱۲۵۳ھ کے بعد کا کتابت شدہ ہے، اس لیے کہ کاتب نے آخر میں ایک عنوان «خاتمۂ دیوانِ فارسی» لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ میرزا صاحب کا دیوانِ فارسی ۱۲۵۳ھ کے لگ بھگ مرتب ہوا تھا، اس لیے اس کا خاتمہ اس سے پہلے نہیں لکھا جاسکتا، اور ظاہر ہے کہ زیرِ نظر مخطوطے کی عمر بھی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

نسخۂ عرشی میں گلِ رعنا کے اشعار کے شروع میں حرفِ گ لکھ دیا گیا ہے، تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہوسکے کہ یہ شعر گلِ رعنا میں شامل ہے۔

۵۔ نسخۂ رام پور قدیم۔ اس کی علامت ق ہے۔

یہ نسخہ، رام پور کے نسخوں میں سب سے پرانا ہے۔ اس کا ناپ ۱۱×۷ انچ ہے۔ جدولیں شنگرفی اور نیلی ہیں۔ لوح بھی انھیں دو رنگ کی لکیروں سے بنائی گئی ہے۔ مسطر ۱۷ سطر کا ہے، مگر سواے ورق ۳۸ الف کے کسی صفحے میں پورے ۱۷ شعر نہیں۔ کاغذ باریک ہے جو اب بے جان ہوچلا ہے۔ خط معمولی نستعلیق ہے، اور کتابت کی غلطیاں اچھی خاصی ملتی ہیں۔ چنانچہ دیباچے ہی میں کاتب نے مرزا نوشہ کو مرزا نوشہ لکھ دیا تھا، جس کی بعد میں تصحیح کی گئی ہے۔ «غالب» تخلص شنجرف سے اور «اسد» سیاہ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں نئی غزل کو «ولہ» عنوان سے شروع کیا ہے۔ قصیدوں اور قطعے رباعیوں کے عنوان بھی شنجرفی ہیں۔ رباعیوں کے آغاز میں «رباعیات»، اور پھر ہر نئی رباعی سے پہلے لفظِ «رباعی» لکھا ہے۔ البتہ ایک جگہ رباعی کے بجاے «ولہ» لکھ دیا ہے۔

سرِ ورق پر خلدآشیاں نواب کلبِ علی خاں بہادر والیِ رامپور نے لکھا ہے: «ہرگز نرفت بر

110
579
Scanned with CamScanner

8:51
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

دلِ من سروری بالاتر از دمی که این نسخهٔ بهارین یافتم». اُنھیں کے قلم سے بائیں طرف کے بالائی گوشے میں لکھا ہوا ہے: «دیوانِ میرزا نوشه دهلوی المتخلص بغالب». اس کے نیچے ایک رُپے کی رقم قیمتِ کتاب کی اور چار آنے کی جدول کشی کی لکھی ہے۔ اس کے ساتھ دو کتابیں اور مجلد نہیں، جن کے نام گلزارِ ابراہیم اور ہشت گلزار ہیں۔ ان کی قیمت علی الترتیب ایک روپیہ آٹھ آنے اور دو رُپے رقموں میں لکھی ہے۔ جلد سازی کی اجرت ٦ آنے بتائی ہے۔

اس نسخے کا آغاز ورق ١ ب پر بسم اللہ کے تحت مشہور فارسی دیباچے سے ہوتا ہے۔ مگر اس کے آخر میں کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اس کے بعد ورق ٢ ب سے پھر بسم اللہ کے تحت غزلیں، شروع ہوتی ہیں۔ جن کے اختتام کے ساتھ ورق ٣٦ ب پر لکھا ہے: «تمام شدنِ دیوانِ ریخته و آغاز شدنِ منتخبِ قصیده در منقبتِ حضرت علی کرم الله وجهه». اس کے بعد رائیہ قصیدہ شروع ہوا ہے۔ ورق ٣٧ ب سے قصیدۂ نونیہ کا آغاز ہوا ہے۔ مگر اس کا مطلع موجود نہیں۔ یہ میں نے اپنے قلم سے حاشیے پر بڑھا دیا ہے۔ ورق ٣٨ ب سے قطعہ شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ہے: قطع در تمدیحِ چکنی ڈلی که دوستے بر کف نهاده داده بود۔ لیکن یہاں کلکتہ کی تعریف والا قطعہ نہیں ہے۔ اُسے بذیلِ غزلیات درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد رباعیاں ہیں جن کے آخر میں ورق ٣٩ ب پر «تمام شد» لکھا ہے۔ تعدادِ اشعار ١٠٦٧ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات:

الف	٢٢٦	س	٧	ن	١٢٧
ب	١١	ش	٢	و	٢٩
ت	١٩	ع	٨	ه	٣
ج	٤	ف	٢	ی	٤٣٢
چ	٦	ك	١٥	قصائد	٦٠
د	٩	گ	٢	قطعه	١٣
ر	٣٩	ل	٩	رباعیات	١٣
ز	٢٠	م	٨		١٠٦٧

111
579
Scanned with CamScanner

8:51
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اس نسخے میں نوائے سروش کی غزل نمبر ٥ کے یہ چار شعر (١) سادگی و پرکاری (٢) غنچہ پھر لگا کھلنے (٣) حالِ دل نہیں معلوم (٤) شور پند ناصح نے، اور غزل نمبر ٤٩ کا یہ شعر «شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے الخ» نہیں ہیں۔ چونکہ یہ شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی دونوں میں موجود ہیں، اس لیے یہاں ان کی عدمِ شمولیت کی وجہ کاتب کا سہو ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا، اس میں میرزا صاحب کے قصیدۂ نونیہ کا مطلع بھی نہیں ہے۔ یہ مطلع نسخۂ بدایوں کے حاشیے پر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ١٢٥٤ھ کے بعد کہا گیا تھا۔ اسی طرح اس میں یہ شعر بھی نہیں ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

چونکہ یہ بیت گلشنِ بیخار میں موجود ہے جو ١٢٥٠-١٢٤٨ھ (٣٤-١٨٣٢ع) کی تصنیف ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ، متداول دیوان کا پہلا ایڈیشن ہے، جو حسبِ تصریحِ نسخۂ شوق قدوائی، آخر ١٢٤٨ھ (١٨٣٣ع) میں مرتب ہوا تھا۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اس انتخاب کے وقت اُن ترمیموں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہوگا، جو گلِ رعنا میں موجود تھیں۔ مگر متعدد اشعار کی شہادت یہ ہے کہ اُن کے سامنے اُس وقت گلِ رعنا کا نسخہ نہ تھا۔ مثلاً ایک شعر ہے:

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پانو کا بوسہ، مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

اس کے مصرعِ اول کی ابتدائی قراءت: «اُس کے بوسہ ہائے پا مگر» تھی۔ گلِ رعنا میں «بوسہ ہائے پا» کو «پانو کا بوسہ» بنایا گیا۔ چاہیے یہ تھا کہ اس نسخے میں بھی یہی الفاظ لکھے جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی والی قراءت ہی کو دہرا دیا گیا ہے۔

٦۔ انتخاب غالب۔ اس کی علامت خ ہے۔

یہ نسخہ میرزا صاحب کے دیوانِ متداول کا انتخاب ہے۔ رضا لائبریری میں دیوانِ مومن کا ایک بیش قیمت نسخہ محفوظ ہے، جو مومن کا دیکھا ہوا، اور اُن کا اصلاحی ہے۔ اس نسخے

112
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے شروع اور آخر میں متعدد اوراق شامل ہیں۔ شروع کے ورقوں کی تعداد ۲۱ ہے۔ ان میں ۱۵ ب تک ہندی کے کبت وغیرہ مندرج ہیں۔ ورق ۱۶ ب سے زیرِ بحث انتخاب شروع ہوتا ہے، جو ورق ۲۱ ب پر ختم ہو گیا ہے۔ یہ انتخاب غزلیات کا ہے۔ جگہ جگہ اشعار کے آغاز میں دیگر یا ولہ لکھا ہے ورق ۲۲ ب سے دیوان مومن کا آغاز ہوا ہے، اور یہ دیوان ورق ۱۲۹ الف پر ختم ہوگیا ہے۔ ورق ۱۲۹ الف سے ۱۳۰ ب تک صنعت تخلص ایک شاعر کے مخمس اور کسی ہندی شاعر کا ایک کبت درج ہوا ہے۔ بیچ میں ورق ۱۲۹ ب پر میرزا صاحب کا چکنی ڈلی سے متعلق قطعہ لکھا گیا ہے۔ جس کے آخر میں ایک رباعی ہے۔ اس کے بعد کے ورقوں میں فارسی، اُردو اور ہندی کے مختلف شعر اور قطعاتِ تاریخ اور مختلف امراض کے مجرب نسخے ملتے ہیں۔ نیز نواب ہدایت علی خاں صاحب کے حسابات بھی مندرج ہیں۔ موصوف الذکر نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم شاگردِ غالب کے حقیقی چچیرے بھائی اور مومن خاں کے شاگرد تھے۔ یہ ہندی کے بھی بڑے شاعر شمار کیے جاتے تھے۔ امیرِ مینائی نے انتخابِ یادگار (ص ۲٦٤) میں غربت تخلص کے تحت ان کا ذکر کیا ہے۔ عجب نہیں جو اس انتخاب کے ذمہ دار یہی ہوں۔

اس انتخاب کا سائز ۱/۲ ۹×۱/۲ ٦ ہے۔ کاغذ دیسی کھردرا ہے۔ روشنائی سیاہ ہے اور انتخاب کے اوراق میں شنجرف سے سطر کشی کر کے درمیان میں شعر لکھے ہیں۔

یہ انتخاب معمولی شکستہ آمیز خط میں کسی نامعلوم الاسم کاتب نے نقل کیا ہے۔ کاتب کم سواد نظر آتا ہے، اس لیے کہ اس نے دو جگہ اسد کا املا 'ص، سے لکھا ہے۔

کچھ شعر حاشیوں میں بھی درج ہیں۔ ان حواشی میں نیز متن کے اندر بھی متعدد اشعار بے محل لکھے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سوائے سہو کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ میرزا صاحب کے اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ۱۸٦ ہے:

الف	۵۰	ز	۱	گ	۱	ی	۷۱
ت	۷	س	۱	ن	۲۱	قطعہ	۱۳
د	۳	ع	۱	و	۳	رباعی	۲
ر	۷	ک	٤	ہ	۱		۱۸٦

113
579
Scanned with CamScanner

8:52

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org

دیوان غالب

یہ انتخاب دیوان کے کس نسخے پر مبنی ہے؟ اس بارے میں قیاس یہ ہے کہ چونکہ اس میں کوئی ایسا شعر نہیں، جو نسخۂ رام پور قدیم کے بعد کا ہو، لہذا اسے ۱۲٤۸ھ یا اس کے قریب کے کسی نسخے پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس کی تائید میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انتخاب کے سرورق پر ۱۸۳٦ع تحریر ہے جو ۱۲۵۲ھ کے مطابق ہے۔ مخطوطۂ بدایوں ۱۲۵٤ھ (۱۸۳۸ع) کا مرتبہ ہے، لہذا اس انتخاب کو مخطوطۂ بدایوں سے کم از کم دو برس پہلے مرتب ہو جانا چاہیے۔

نسخۂ رامپور قدیم سے اس انتخاب کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ان دونوں میں دو ایک جگہ اہم اختلاف بھی ہے۔ مثلاً نسخۂ رام پور قدیم میں ہے:

تو اور سوے غیر نظر ہاے تیز تیز میں اور دُکھ تری مژہ ہاے دراز کا

یہی قراءت بعد کے تمام نسخوں میں ملتی ہے۔ مگر اس انتخاب میں «نظر ہاے» کی جگہ «نگہ ہاے» ہے۔ ممکن تھا کہ اس اختلاف کو کاتب کا سہو قرار دے دیا جاتا۔ مگر گلِ رعنا اور شیفتہ کے «گلشنِ بے خار» میں بھی «نگہ ہاے» ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس انتخاب کی بنیاد جس نسخے پر ہے وہ نسخۂ رام پور قدیم کی جگہ شیفتہ کے مستعملہ نسخۂ دیوان کے مطابق تھا۔

اسی طرح انتخاب کی غزلوں کی ترتیب تو نسخۂ رام پور قدیم کے مطابق ہے، مگر اشعار کی ترتیب جگہ جگہ مختلف ہے۔ یہ بھی اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ اس انتخاب کی اصل نسخۂ رام پور قدیم سے الگ کوئی نسخہ تھا۔

یہ انتخاب کئی وجوہ سے اہم ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میرزا صاحب کے متداول دیوان کا اتنا قدیم انتخاب کوئی دوسرا موجود نہیں۔ دوسرے اس انتخاب کا متن جگہ جگہ متداول نسخوں سے الگ ہے، ان میں سے بعض کاتب کی غلطی نہیں معلوم ہوتے، بلکہ ایسا نظر آتا ہے کہ نسخۂ اصل میں یہی الفاظ تھے، مثلاً نسخۂ رام پور قدیم اور بعض اور نسخوں میں بھی شعرِ تحت اس طرح ہے:

حضرتِ ناصح جو آویں، دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھادو کہ سمجھاویں گے کیا؟

114
579

Scanned with CamScanner

8:52
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

انتخاب میں «جو آویں» کی جگہ «گر آویں» ہے۔ میرزا صاحب نے بعد کے نسخوں میں یہی قراءت برقرار رکھی ہے۔ یا مصرعِ ذیل کے اندر:

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے، کھاویں کے کیا

نسخۂ رام پور قدیم اور بعض دوسرے نسخوں میں «رہیں» ہے۔ بعد میں میرزا صاحب نے انتخاب والی قراءت کو متن میں رکھا ہے۔

اس انتخاب کے اختلافات عرشی زادہ نے استدراک میں درج کردیے ہیں۔

۶۔ نسخۂ بدایوں۔ اس کی علامت «با» ہے۔

یہ نسخہ جو بدایوں میں دریافت ہوا تھا، ۸۱/۲×۵۱/۲ انچ ناپ کا ہے۔ روشنائی کالی، عنوان اور جدول شنجرفی اور باریکا لاجوردی ہے۔ کاغذ بانس کا دیسی بنا ہوا ہے۔ ہر ورق میں رکاب بھی ہے اور ورق داغ بھی۔ خط شکستہ آمیز نستعلیق ہے۔ معمولی کرم خوردگی بھی پائی جاتی ہے۔ جلد پرانی مگر عام حالت اچھی ہے۔

سرورق پر مہر ہے جس میں «محمد ذوالفقار الدین ۱۲۵۲ھ» کندہ ہے۔ ورق ۱ الف سے «قصیدۂ فارسی در مدحِ شاہزادہ سلیم» شروع ہوکر ورق ۲ ب پر ختم ہوا ہے۔ قصیدے کے ۵۵ شعر ہیں اور مطلع حسبِ ذیل ہے:

درین زمانہ کہ کلکِ رصد نگارِ حکیم　　　ہزار و دو صد و پنجاہ راند در تقویم

یہ قصیدہ کلیاتِ فارسی کے تمام مخطوطوں اور مطبوعہ ایڈیشنوں میں موجود ہے۔ لیکن نسخۂ بانکی پور نوشتۂ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع)، نسخۂ مطبوعۂ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) اور نسخۂ رام پور (لوھارو کلیکشن) مکتوبۂ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) میں اس کا عنوان ہے «در مدحِ عرش آرامگاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ طاب ثراہ»۔ ہوسکتا ہے نسخۂ بدایوں کا عنوان خود میرزا صاحب کا مجوزہ ہو، اور وہ اس لیے کہ اس میں شاہ سے پہلے شاہزادے کی مدح کی گئی ہے۔

ورق ۳ الف پر فارسی کا ایک خط ہے جس کا عنوان ہے «سوادِ نامہ کہ بہ نواب اکبر علی خان نوشتہ شد»۔ پنج آہنگ میں اس کا عنوان ہے «نامہ بنامِ نامیِ نواب سید علی اکبر خان متولیِ امام باڑۂ ہوگلی بندر»[1]۔

۱۔ ملاحظہ ہو، کلیات نثر، پنج آہنگ: ۴۵۔

115
579
Scanned with CamScanner

8:52
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ورق ٤ الف پر ایک فارسی قطعہ ہے جو «میرزا صاحب نے ایک بلی پر لکھا تھا۔ اس کا پہلا بیت ہے:

دارم بجہان گربۂ پاکیزہ نہادے کز بالِ پریزاد بود موجِ رمِ او

یہ قطعہ گیارہ اشعار کا ہے اور اس عنوان سے نقل کیا گیا ہے: «دستِ نوازش بہ پشتِ گربۂ مسکین فرود آوردن و بلابہ و لاغ از آزارِ جاندارش باز داشتن»۔ یہ نسخۂ رام پور مکتوبۂ ١٢٦٤ھ میں اسی عنوان کے ساتھ اور دوسرے نسخوں میں بے عنوان موجود ہے۔ تعدادِ اشعار سب میں نسخۂ بدایوں کے مطابق ہے۔

ورق ٥ الف سے (جس پر ایک کا ہندسہ ڈالا گیا ہے) لکیردار لوح کے نیچے دیوان کا آغاز ہوا ہے۔ اوپر کے بائیں کونے میں باریکے کے اندر «٥٩ ورق، جزوِ اول دیوانِ ہندی مرزا اسد اللہ خان غالب» لکھا ہے، اور اس نوٹ کے نیچے مذکورۂ بالا مہر ثبت ہے۔ دیباچۂ دیوان تئے ورق داغ کے مطابق ٢ الف کے حاشیے پر بھی نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دیوان کو نقل کرنے کے بعد اسے لکھا گیا تھا۔

اشعار کا آغاز بجائے «بسم اللہ» کے «ہو اللہ» سے ہوا ہے۔

ورق ٥ الف سے ٥١ ب کالم ١ تک غزلیں ہیں جن کے آخر میں لکھا ہے «تمام شد دیوانِ ریختہ»۔ کالم ٢ سے قصائد شروع ہوتے ہیں۔ پہلا قصیدہ ہے «سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار»۔ اس کا عنوان ہے «منتخبِ قصیدۂ منقبتِ حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام»۔ ورق ٥٣ الف کالم ٢ سے دوسرا قصیدہ بعنوان «انتخابِ قصیدۂ منقبتِ حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام» شروع ہوکر ٥٤ ب پر ختم ہوا ہے۔ اس کا مطلع «دھر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں» حاشیے پر مندرج ہے۔ یہی صورت نسخۂ رام پور قدیم کی بھی ہے کہ اس میں یہ مطلع موجود نہ تھا۔ میں نے اپنے قلم سے حاشیے پر اضافہ کر دیا ہے۔

ورق ٥٤ ب تا ٥٥ ب پر ہے: قطعہ در تمدیحِ چکنی ڈلی۔ اس کا عنوان نسخۂ رام پور قدیم کے مطابق ہے۔

ورق ٥٥ ب سے ٥٦ الف تک رباعیاں ہیں۔ ان کی تعداد ٨ ہے۔ ٥٦ ب اور ٥٧ الف

116
579
Scanned with CamScanner

8:52
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

سادہ ہیں۔ ۵۷ ب سے ۵۹ ب کی سطر ۲ تک نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر کی تقریظ ہے۔
آخر میں ۸ ورق پر حکیم مومن خاں مرحوم کا ساقی نامہ ہے جس کا پہلا شعر ہے!

کھولیو ساقی منہ کو سبو کے پیتے ہیں کب سے گھونٹ لہو کے

اس نسخے کے اشعار کی تعداد بتفصیل ذیل ہے:

غزلیات:

الف	۲۲۶	ر	۳۹	ک	۱۵	ہ	۳
ب	۱۲	ز	۲۰	گ	۲	ی	۴۳۵
ت	۱۹	س	۷	ل	۹	قصائد	۶۰
ج	۴	ش	۲	م	۸	قطعہ	۱۳
چ	۶	ع	۸	ن	۱۲۳	رباعیات	۱۶
د	۹	ف	۲	و	۲۹		۱۰۶۷

اشعار کی یہ تعداد متن تک محدود ہے۔ ۳۵ شعر نسخے کے حاشیوں پر بھی لکھے ہوے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات: الف ۴ ن ۴ و ۱۱ ی ۹

قصائد ۱ قطعہ ۲ رباعیات ۴

اس صورت میں متن و حواشی دونوں کے اشعار کی تعداد ۱۱۰۲ ہو جاتی ہے۔

نسخۂ رام پور قدیم میں بھی اشعار کی تعداد ۱۰۶۷ ہے۔ مگر اس نسخے میں ردیفِ ب کا یہ شعر موجود نہیں:

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے، زہے! موسمِ گل رہبرِ قطرہ بدریا ہے، خوشا! موجِ شراب

چونکہ یہ شعر نسخۂ بھوپال کے حاشیے اور نسخۂ شیرانی کے متن دونوں میں ملتا ہے، جو نسخۂ رام پور قدیم سے پرانے ہیں، اس لیے اس شعر کو کاتب کے سہو سے محذوف مانا جائے گا، اور اس صورت میں نسخۂ رام پور قدیم کے اشعار کی کل تعداد ۱۰۶۸ ہوگی۔

لیکن جیسا کہ اوپر کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے، نسخۂ بدایوں کا متن ۱۰۶۷ شعروں پر

117
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مشتمل ہے۔ اس سے بظاہر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ نسخۂ بدایوں، نسخۂ رامپور قدیم سے پرانا ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کمی کی وجہ نسخۂ بدایوں کے کاتب کا ایک سہو ہے۔ اُس نے ردیفِ نون کی ایک ٤ شعر کی غزل جس کا مطلع ہے:

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

متن میں نہیں لکھی، اور غلطی سے آگاہ ہونے کے بعد حاشیے میں اس کا اضافہ کیا۔ اگر یہ ٤ شعر متن میں ہوتے، تو نسخۂ بدایوں کی تعدادِ اشعارِ نون بھی ١٢٧ ہوجاتی اور اس اضافے سے کل شعر ١٠٧١ تک پہنچ جاتے۔ متن کے اشعار کی یہ تعداد نسخۂ رام پور قدیم سے ٣ کے بقدر اس لیے بڑھ گئی کہ نسخۂ بدایوں میں ایک غزل کے ٣ شعر ایسے ہیں جو نسخۂ رام پور قدیم میں سرے سے موجود نہیں۔ اور چونکہ یہ نسخہ ١٢٤٨ھ (١٨٣٣ع) کا مرتبہ ہے اور یہ شعر ١٢٥٠ھ (١٨٣٤ع) کے لگ بھگ کہے گئے ہیں، اس لیے ان کا نسخۂ رام پور کے متن میں ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

چونکہ نیر و رخشاں کی لکھی ہوئی فارسی تقریظ کا سال تالیف ١٢٥٤ھ ہے، جو مارچ ١٨٣٨ع سے شروع ہوکر ١٨٣٩ع کے مارچ پر ختم ہوتا ہے۔ نیز اس نسخے کے متن میں ایسی کوئی نظم موجود نہیں جو اس سال کے بعد لکھی گئی ہو۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ اسی سال کا مرتبہ نسخہ ہے۔

آیا یہ وہی اصل نسخہ ہے جو نیر کی تقریظ کے ساتھ پہلی بار تیار ہوا تھا؟ اس کا جواب میری دانست میں «نہیں» ہے۔ کیونکہ اس میں اس قسم کی املائی غلطیاں ہیں جو نیر کو برداشت نہیں کرنا چاہییں۔ لیکن یہ ہے اُسی کی نقل، اور نقل بھی میری دانست میں میرزا صاحب کے اُن دوست نے کرائی تھی جن کے بارے میں انھوں نے اپنے اردو خطوں میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ وہ میرا کلام جمع کرتے رہتے ہیں، یعنی حسین میرزا۔ اس خیال کی بنیاد اُس مہر پر ہے جو اس میں ثبت ہے اور جس میں «محمد ذوالفقار الدین ١٢٥٢» کندہ ہے، کیونکہ حسین مرزا کا بڑا نام یہی تھا۔ اس کی تائید حواشی کے مندرجات سے ہوتی ہے اس لیے کہ تیے تیے اشعار

rekhta
118
579
Scanned with CamScanner

8:52
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کا اضافہ وہی کرتا رہے گا جسے میرزا صاحب کے کلام کو جمع کرنے کا شوق ہوگا۔

مذکورۂ بالا امور تسلیم کرلینے کے بعد، یہ نسخہ تاریخی ترتیب میں نسخۂ رام پور قدیم کے بعد آتا ہے۔ کیونکہ نسخۂ رام پور میں نہ تو نہر کی تقریظ ہے اور نہ اس میں وہ ۳ اشعار ہیں جو پہلی بار نسخۂ بدایوں میں نظر آتے ہیں اور آئندہ سطور میں نقل ہو رہے ہیں۔

اس نسخے کی کچھ خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً:

(۱) اس میں پرانے رسمِ خط کے مطابق اعراب بالحروف کا طریقہ برتا گیا ہے۔ چنانچہ «دکھا» کو «دیکھا» اور «منہ» کو «مونہہ» لکھا گیا ہے۔ کئی جگہ «نے» کو نیں (نونِ غنہ درآخر) بھی لکھا ہے۔ «گھبرانا» کو ایک مقام پر «گھبڑانا» لکھا ہے جو اس لفظ کا ایک لہجہ ہے۔

(۲) اس میں بذیلِ غزلیات مندرجۂ ذیل تین شعر بھی ہیں:

اور تو رکھنے کو ہم دھر میں کیا رکھتے تھے
مگر اک شعر میں اندازِ رسا رکھتے تھے

اُس کا یہ حال کہ کوئی نہ ادا سنج ملا
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ اُٹھا رکھتے تھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اس کے پہلے دو شعر تو دریافت اور تمام دوسرے نسخوں سے زائد ہیں۔ بعد کے نسخوں میں میرزا صاحب نے صرف مقطع برقرار رکھا اور پہلے دونوں شعر حذف کردیے۔

جہاں تک پہلے دو شعروں کی خوبی کا تعلق ہے، اپنے اندازِ بیان و طرزِ فکر دونوں کے لحاظ سے یہ رکھنے کے قابل تھے۔ لیکن پھر بھی انہیں کاٹ دینے کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ ان کی موجودگی مقطع کے مضمون کو محدود کردیتی ہے اورصرف مقطع، وجہِ شکایت کی تعیین نہ ہونے کے باعث، آفاقی و ہمہ گیر رہتا ہے۔

(۳) اس نسخے میں ایسے ۲۵ شعر حاشیوں پر مندرج ہیں جو ترتیبِ نسخہ کے بعد کہے گئے تھے۔ اس امرِ واقعی سے جہاں یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ نسخے کا تعلق میرزا صاحب

119
579
Scanned with CamScanner

8:52
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے کسی قریبی دوست یا عزیز سے تھا. وہاں یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ وہ اشعار تاریخی اعتبار سے کس زمانے سے علاقہ رکھتے ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں:

(۱) دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں	۱ شعر
(۲) دی سادگی سے جان، پڑوں کوھکن کے پانو	۹ "
(۳) تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا — ہمارا نہیں کرتے	۲ "
(٤) ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	۳ "
(٥) لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے	٤ "
(٦) گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری — خاموش رھنے تھے	۲ "
(۷) بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال	۲ "
(۸) ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم	۲ "

مذکورۂ بالا ۲۵ شعروں کے نسخۂ رام پور قدیم میں نہ ہونے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ۱۸۳۳ع اور ۱۸٤۱ع کے درمیان کسی وقت لکھے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ ردیف الف کے وہ ٤ شعر جن کا گزشتہ صفحات میں نسخۂ رام پور قدیم کے تحت ذکر ہوا، نیز ٤ شعر جن کی ردیف «دیکھتے ہیں» ہے، اور دو شعر جن کی ردیف و قافیہ «تاثیر سے نہ ہو» ہے، اس نسخے کے حاشیے پر درج ہیں۔ ان میں سے پہلے چار شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں پائے جاتے ہیں، اس لیے ان کا نسخۂ رام پور قدیم سے خارج ہونا اور نسخۂ زیرِ بحث کے حاشیے میں پایا جانا یا تو سہوِ کاتب کی تصحیح ہے یا پھر میرزا صاحب نے ان اشعار کو از سرِ نو داخلِ دیوان کیا ہے۔ اسی طرح ردیف ھائے نون و واو کے مذکورہ شعر نسخۂ رام پور قدیم میں موجود ہیں۔ اس لیے زیرِ بحث نسخے کے حواشی میں ان کا اندراج بھی مذکورۂ بالا دو اسباب ہی میں سے کسی ایک سبب سے ہو سکتا ہے۔

۸ - نسخۂ دیسنہ۔ اس کی علامت فج ہے۔

اس نسخے کا سائز ۸/۲٦×۲۰ ہے۔ کاغذ دیسی بانس کا بنا ہوا ہے جس پر کرم خوردگی اور آب رسیدگی کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس کے اوراق کی تعداد ٤۸ ہے، اور ورق ٤۰ کے بعد

120
579
Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ایک ورق ضائع ہوگیا ہے۔ خط معمولی نستعلیق، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنجرفی ہیں۔ اور یہ ۱۴ سطری مسطر پر کتابت کیا گیا ہے۔

یہ نسخہ الاصلاح لائبریری دیسنہ کی ملکیت ہے۔ مذکورہ لائبریری کو سید قمرالدین صاحب وکیل، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ نے ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو تحفے میں پیش کیا تھا۔

اس نسخے میں دیباچہ اور تقریظ دونوں موجود ہیں۔ دیباچے میں کوئی تاریخ نہیں۔ مگر تقریظ کی تاریخ ۱۲۵۴ھ درج ہے۔ اس میں تعدادِ اشعار کی بابت لکھا ہے «غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی ہزار و نود و ہشت اند یافتم»۔ افسوس یہ ہے کہ میں خود شمار کرنے کا وقت نہ نکال سکا۔

غزلیات کے آخر میں «تمام شد غزلیات» اور تقریظ کے بعد بطورِ ترقیمہ «تمام شد دیوانِ اسد اللہ خاں بتاریخ ۲۶ ستمبر ۱۸۴۵ء» لکھا ہے۔

کتابت کی غلطیاں بہت ہیں، جن کی دو چار جگہ تصحیح بھی نظر آتی ہے۔ کہیں صاد بنا کر حاشیے پر متروکہ لفظ بڑھا دیا گیا ہے۔ مثلاً: تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا، کا لفظ «میں» حاشیے پر بڑھایا گیا ہے۔ بعض مقامات پر «بدلہ» یا «نسخہ» لکھ کر حاشیے پر کچھ الفاظ لکھے گئے ہیں، مگر ان میں بھی غلطیاں ہیں مثلاً: چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا، اس مصرع کے لفظ «بے زباں» پر «نسخہ» لکھ کر حاشیے میں «میزباں» لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

بعض اشعار حاشیوں پر بھی نقل ہوئے ہیں۔ ردیفِ ع کا ایک شعر: جادۂ رہ خور کو، ردیفِ واو کے دو شعر: (۱) دی سادگی، (۲) بھاگے تھے، نیز قصیدۂ نونیہ کا شعر: نقش لاحول لکھ، اسی کی مثالیں ہیں۔

قصیدۂ رائیہ کے تین شعر: وہ شہنشاہ، فلک العرش، سبزۂ نہ چمن، بھی «موجود نہیں۔

قصیدۂ نونیہ کے مصرع: وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقین، کے حاشیے پر لکھا ہے «روشن مرآتِ یقیں»۔

املا اُس عہد کی روش کے مطابق ہے اور ہر جگہ کسی کو کسو لکھا ہے۔ کلکتے کی

121
579
Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تعریف والے ۳ شعر بذیلِ غزلیات درج ہیں۔

یہ نسخہ ترقیمے کی تاریخ کے اعتبار سے نسخۂ کریم الدین سے موخر معلوم ہوتا ہے۔ مگر تقریظ میں بتائی گئی تعدادِ اشعار سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ در اصل نسخۂ کریم الدین کے مقابلے میں یہ مخطوطہ کسی متقدم نسخے کی نقل ہے جو بعد میں تیار کی گئی ہے۔

۹۔ نسخۂ کریم الدین - اس کی علامت قد ہے۔

اس نسخے کا ناپ ۱/۲ ۷ × ۵ انچ ہے۔ اس میں ٦٤ ورق اور فی صفحہ ۱۱ سطریں ہیں۔ روشنائی سیاہ اور عنوانات شنجرفی ہیں۔ کاغذ ولایتی ہلکے نیلے رنگ کا ہے، جس پر از اول تا آخر کرم خوردگی کے آثار موجود ہیں۔ خط نستعلیق ہے۔

ورق ۳ الف سے ورق ۷ ب تک کبھی ضائع ہوگئے تھے، جنھیں کتاب کو مکمل کرنے کی غرض سے کسی نے بعد میں نقل کر کے شامل کردیا ہے۔

ورق ۱ الف پر شکستہ دفتری خط میں یہ عبارت درج ہے: «مالکِ این کتاب کریم الدین، سررشتہ دارِ محکمۂ ڈائرکٹری پنجاب»۔ یہ مالکِ کتاب، صاحبِ تذکرۂ گلدستۂ نازنیناں وغیرہ ہیں۔

ورق ۱ ب سے دیباچہ شروع ہوکر ورق ۲ ب کے تقریباً درمیان میں ختم ہوا ہے۔ چونکہ دیباچے کا ایک حصہ جدید اضافہ ہے، اس لیے معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ کسی متداول نسخے سے دیباچے کی تاریخ بھی نقل کردی گئی ہے۔

ورق ۲ ب ہی سے غزلیات شروع ہوتی ہیں۔ آغازِ دیوان کی ابتدائی چند غزلیں بھی مذکورہ جدید اوراق پر نقل ہوئی ہیں۔ غزلیات کا سلسلہ ورق ۵۵ ب پر تمام ہوا ہے۔ اس ورق پر آخری غزل کے صرف دو شعر ہیں، باقی حصہ سادہ ہے۔ ورق ٥٦ الف سے پہلا قصیدہ: سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار، شروع ہوکر ورق ۵۷ ب پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد دوسرے قصیدے «دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں» کی ابتدا ہوتی ہے جو ورق ۵۸ ب پر اتمام پزیر ہوتا ہے۔ آئندہ ورق ۵۹ الف سے ۵۹ ب تک قطعات اور ٦٠ الف سے ٦١ الف تک رباعیاں ہیں۔ ورق ٦١ ب سادہ ہے۔ ورق ٦٢ الف سے ٦٤ ب تک تقریظ ہے۔ تقریظ کا عنوان اور اُس کے اندر کے اشعار مذکورہ جدید خط میں ہیں اور اس کی تاریخ ۱۵٤ھ

Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

درج ہے جو دراصل ۱۲۵٤ھ ہے۔

تقریظ میں تعدادِ اشعارِ «غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی یك هزار و یك صد و اند» (گیارہ سو سے کچھ اوپر) بتائی گئی ہے۔ اس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:

غزلیات:

الف	۲۳۰	س	۷	ن	۱۳٦		
ب	۱۲	ش	۲	و	۳۷		
ت	۱۹	ع	۸	ہ	۳		
ج	٤	ف	۲	ی	٤۳۹		
چ	٦	ك	۱۵	قصائد	٦۱		
د	۹	گ	۲	قطعات	۱۹		
ر	۳۹	ل	۹	رباعیات	۲۰		
ز	۲۰	م	۸		۱۱۰۷		

ترقیمے کی عبارت حسبِ ذیل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخے کی نقل کا کام بھی مالكِ کتاب ہی کی فرمائش پر کیا گیا تھا:

«تمام شد ایں نسخه پاسِ خاطرِ مولوی کریم الدین صاحب ساکنِ پانی پت از خطِ کم ربطِ بندۂ سید غلام عباس ساکنِ کول بتاریخ سی‌امِ ماہِ اگست ۱۸٤۵ع و مطابقِ بست و ششمِ ماہِ شعبان المعظم ۱۲٦۱ھ روزِ یك شنبه و بر آمدنِ دو گھڑی روز صورتِ اختتام پزیرفت»۔

اس نسخے کا املا اپنے عہد کی مروجہ روش کے مطابق ہے۔ البتہ رسمِ خط کے لحاظ سے یہ بات نئی ہے کہ اس میں «خورشید» کو بحذفِ واو «خرشید» لکھا گیا ہے، مگر «کسی» کو ہر جگہ «کسو» لکھا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں ردیف «ز» کی ایك غزل کے مقطع کا مصرعِ اول «اسد اللہ خاں تمام ہوا» کے بجائے «اب تو غالب ہی لے تمام ہوا» درج ہے جو کسی اور نسخے میں نہیں۔

یہ نسخہ لیاقت نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہے۔

rekhta

Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

۱۰۔ نسخۂ لاہور۔ اس کی علامت قج ہے۔

اس کی تقطیع ۷/۱۰ ۹×۶ انچ ہے۔ کل مکتوبہ ورق ٦٤ ہیں۔ مسطر ۱۵ سطر کا ہے۔ کاغذ دیسی بادامی ہے۔ عام حالت بہت اچھی ہے۔

ورق ۱ ب پر سنہری، سفید، آبی، نیلی، سرخ اور زرد رنگ کی لوح کے نیچے فارسی دیباچہ شروع ہوا ہے۔ اس صفحے اور اگلے صفحے کے حاشیوں میں باریک اور نازک قلم سے مطلا و ملون بیل بنائی گئی ہے۔ نیز ان دونوں صفحوں کا بین السطور مذہب ہے۔ پوری کتاب میں چھے رنگ کی جدول ہے۔ ہر دو نظموں کے درمیان ایک سطر کے بقدر جگہ چھوڑی گئی ہے، اور اسے رنگین بیل سے بھرا گیا ہے۔ جہاں کہیں آخری شعر کو دو سطروں میں لکھا ہے، وہاں دونوں جانب کی جگہوں کو خوبصورت بیل بوٹوں سے بھر دیا ہے۔

کاتب کا نام اور تاریخِ کتابت درج نہیں۔ تاہم خط بتاتا ہے کہ نواب فخرالدین محمد خاں بہادر کا لکھا ہوا ہے جو میرزا صاحب کے مشہور اور پسندیدہ کاتب تھے۔ روشِ خط، اصولِ فن پر پوری نہیں اُترتی، لیکن خط کی یکسانی اور پختگی نے بے حد دیدہ زیبی پیدا کردی ہے۔ پوری کتاب میں لفظ «اك» کو «الك» بدونِ نقاط لکھا ہے۔ «ٹ» میں ننھی «ط» کے نیچے دو نقطے بھی لگاتے ہیں۔ «نہ» اور «جگہ» کو «نہہ» اور «جگہہ» بھی لکھتے ہیں۔ شعر میں ہندسے کو لفظوں میں لکھا جاتا ہے۔ انھوں نے ایسی جگھوں میں لفظ کے اوپر عدد کی شکل بھی بنائی ہے۔ مجھ سا، تجھ سا اور مجھکو، تجھکو وغیرہ کو بدونِ ہائے مخلوط اور «منہ» کو عموماً «منھ» اور کبھی «مونہ» لکھتے ہیں۔ میرزا صاحب کی ہدایت کے مطابق عموماً اردو، فارسی الفاظ میں «ذ» کی جگہ «ز» لکھتے ہیں، اور «خرشید» میں واو نہیں لکھتے۔ خوش نمائی اور دفعِ التباس دونوں کے لیے لفظوں پر اعراب بھی لگاتے ہیں۔

اس نسخے کے مشتملات کی ترتیب سابق نسخوں جیسی ہے۔ چنانچہ ورق ۲ ب کی چوتھی سطر سے دوسری لوح کے نیچے غزلیں شروع ہوتی ہیں۔ ورق ۵۳ ب سے قصیدے، ورق ۵۸ الف سے قطعے اور ورق ٦۰ الف سے رباعیاں شروع ہوتی ہیں۔ آخر میں بعنوانِ «خاتمہ» نثر کی تقریظ ہے، جو ورق ٦۲ ب سے شروع ہوکر ٦٤ ب پر ختم ہوتی ہے۔ اس تقریظ میں نسخۂ م

rekhta
124
579
Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

(طبعِ اول) کی طرح سالِ ترتیبِ دیوان ۱۲۵٤ھ (مارچ ۱۸۳۸ع تا مارچ ۱۸۳۹ع) مندرج ہے۔ لیکن اس میں میرزا صاحب کی مشہور غزل: «سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں» بھی شامل ہے، جو دہلی اردو اخبار مورخۂ ۲۸ اگست ۱۸۵۲ع میں اس تصریح کے ساتھ شائع ہوئی تھی کہ اس ہفتے کے مشاعرے کا کلام ہے، اور ۱۸۵۳ع کی کہی ہوئی کوئی غزل وغیرہ موجود نہیں، اس لیے یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ نسخہ ۱۸۵۲ع کے نصفِ آخر میں مرتب کیا گیا تھا، اور تقریظ کی تاریخ از راہِ سہو تبدیل نہیں کی گئی ہے۔

تقریظ میں اشعار کی تعداد «ہزار و پانصد و پنجہ و اند» (۱۵۵۰ سے کچھ اوپر) بتائی ہے۔ میں نے شمار کیا تو ۱۵٤۷ شعر نکلے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اشعار کے گننے میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی تھی۔ اشعار کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات:

الف	۲۸٤	ر	٦۹	ك	۱۵	ہ	۳
ب	۱۲	ز	۲۰	گ	۲	ی	۵۸۰
ت	۱۹	س	۷	ل	۹	قصائد:	۱٦۲
ج	٤	ش	۲	م	۸	قطعات:	۵۰
چ	٦	ع	۸	ن	۲۰۹	رباعیات:	۲٤
د	۹	ف	۲	و	٤٤		۱۵٤۷

اندرونی شہادت ثابت کرتی ہے کہ اسے اول سے آخر تک میرزا صاحب نے پڑھا ہے اور اکثر جگہ اغلاطِ کاتب کی اصلاح بھی کی ہے۔ چنانچہ مندرجۂ ذیل مقامات پر اُن کے قلم کی واضح اصلاحیں موجود ہیں:

۱۔ ورق ۱۰ ب: جس دل پہ ناز (تھا) مجھے، وہ دل نہیں رہا۔
۲۔ ورق ۲۰ الف: گرمیِ بزم (ہے) اک رقصِ شرر ہونے تک۔
۳۔ ورق ۲۱ ب: رونقِ ہستی ہے (عشق) خانہ ویراں ساز سے۔
٤۔ ورق ۲۳ الف: آپ بے بہرہ (ہے) جو معتقدِ میر نہیں۔

125
579
Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

۵ - ورق ۲۵ ب: ظلم کر ظلم، اگر لطف دریغ آتا (ہو)۔
۶ - ورق ۳۷ الف: ساقی گری کی شرم کرو آج (ورنہ) ہم۔
۷ - ورق ٤٦ الف: ہم رشک کو اپنے (بھی) گوارا نہیں کرتے۔

ان میں سے ۱، ۲، ۳، ٤ اور ۷ میں جو لفظ بریکٹوں میں لکھے ہوئے ہیں، وہ اصل میں خود میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بڑھائے ہیں۔ نمبر ۵ میں کاتب نے «ہو» کی جگہ «ہے» لکھ دیا تھا۔ میرزا صاحب نے اوّل کو چھیل کر دوسرا لفظ بنایا ہے۔ نمبر ٦ میں کاتب نے «ورنہ آج» لکھ کر «ورنہ» کے اوپر «خ» (جو موخر کا نشان ہے) اور «آج» کے اوپر «م» (جو مقدم کا نشان ہے) بنا دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہاں «ورنہ» کو مٹا کر «آج» کے بعد مذکورہ لفظ اپنے قلم سے لکھ دیا ہے۔

تاہم بہت سی خطی غلطیاں اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

(۱) «کیا رہوں غربت میں خوش، ہو جب حوادث کا خیال» (٤ ب)، حالانکہ صحیح الفاظ «حوادث کا یہ حال» ہیں۔

(۲) «جلوہ از بسکہ — مژگاں ہوگا» (۵ ب) جب کہ صحیح ردیف «ہونا» ہے۔

(۳) ورق ۷ ب پر «سونچ»، ۱۰ الف پر «خورشید»، ١٤ الف پر «دھنواں» اور ۱۸ الف پر «تعذیر» ملتا ہے، جو میرزا صاحب کے املا کے خلاف ہے۔

(٤) «نہ سنو گر برا کہے کوئی نہ کہو گر برا کہے کوئی» (٤۸ ب)، حالانکہ صحیح ردیف «کرے کوئی» ہے۔

(۵) «رہ گیا خط (میری) چھاتی پر کھلا» (۵۷ ب)، اس میں بریکٹ کے اندر کا لفظ کاتب اور مصحح دونوں سے چھوٹ گیا ہے۔

(٦) «شاہ (کے) آگے دھرا ہے آئنہ» (۵۸ الف)۔ یہاں بھی بریکٹ کا لفظ رہ گیا ہے۔

۱۱ - نسخۂ رام پور جدید۔ اس کی علامت قد ہے۔

اس نسخے کا ناپ ۱۱ ۱/۲ × ۷ انچ اور کتابت کا سائز ۸ ۱/۲ × ٤ ۳/٤ انچ ہے۔ اوراق ۷٤ اور مسطر ۱۵ سطری ہے۔ متن کی روشنائی کالی اور عنوان، تخلص اور ممدوحین کے نام شنگرفی

126
579
Scanned with CamScanner

8:53
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ہیں۔ لوح، نسخۂ لاہور کی طرح نہایت عمدہ سنہری اور رنگین ہے۔ ورق ۱ ب اور ۲ الف کے حاشیے خوبصورت بیل سے آراستہ کیے گئے ہیں۔ ہر دو نظموں کے درمیان کی سادہ جگہ کو رنگین بیل بوٹوں سے مزین کیا گیا ہے۔ یہی صورت اُس جگہ نظر آتی ہے جہاں کسی نظم کے آخری شعر کو دو سطروں میں لکھا گیا ہے۔ جدولیں سنہری اور رنگین ہیں۔ ایک جدول حاشیے کی تحدید کے لیے بھی بنائی ہے، مگر یہ متن کی جدول سے باریک ہے۔

اس کا خط بھی نسخۂ لاہور کی طرح عمدہ نستعلیق ہے۔ کاتب کا نام اور سالِ کتابت یہاں بھی درج نہیں۔ لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اس کے کاتب بھی نواب فخرالدین محمد خاں بہادر ہی ہیں۔ کتاب کا کاغذ بہت باریک ولایتی ہے، اس لیے رنگین بیل بوٹوں کی جگہوں پر گاتا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ نسخہ میرزا صاحب نے نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم والیِ رام پور (فردوس مکاں) کو ۱۱ مئی سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے تحفے میں بھیجا تھا، اس لیے اسے تاریخِ مذکور سے پہلے کا نوشتہ ہونا چاہیے۔ اور چونکہ اس کو زیادہ اہتمام سے لکھوایا گیا ہے، اس لیے گمانِ غالب یہ ہے کہ نواب ناظم ہی کے لیے تیار بھی کرایا گیا تھا۔

اس نسخے کی تصحیح میرز اصاحب نے خود کی ہے: چنانچہ صفحات ۶، ۷، ۸، ۱۴، ۱۸، ۲۲، ۳۴، ۴۵، ۵۵، ۶۱، ۶۳، ۶۷، ۷۲، ۷۴، ۸۱، ۸۲، ۸۵، ۸۸، ۹۱، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۰، پر اُن کے ہاتھ کی اصلاحیں موجود ہیں۔

سرورق پر کتاب خانۂ رام پور کے رجسٹر موجودات کلاں کا نمبر ۳۳۴۴ اور «نمبر خورد ۷۶» درج ہے۔ نیز کتاب خانے کی ایک پرانی مہر سنہ ۱۲۶۸ھ کی کھدی ہوئی اور دوسری عہدِ نواب سید حامد علی خاں بہادر والیِ رام پور (جنت مکاں) کی بھی ثبت ہے۔

ورق ۱ ب پر لوح کے تحت فارسی دیباچہ ہے۔ ورق ۲ ب سے ورق ۶ ب تک قطعے، ورق ۷ الف سے ورق ۸ الف تک مثنوی، ورق ۸ الف سے ورق ۱۳ ب تک قصائد، ورق ۱۴ الف سے ورق ۷۰ الف تک غزلیات، ورق ۷۰ الف سے ورق ۷۱ ب تک رباعیاں اور ورق ۷۲ الف سے ورق ۷۴ ب تک نیر کی تقریظ ہے۔

اس تقریظ کا عنوان «خاتمہ» ہے، اور اس میں سالِ ترتیب ۱۲۷۱ھ درج ہے، جو ۲۴ ستمبر

127
579
Scanned with CamScanner

8:54
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

۱۸۵٤ء سے شروع ہوکر ۱۳ ستمبر ۱۸۵۵ء پر ختم ہوتا ہے۔ اس نسخے کی سب سے آخری نظم جس کی تاریخ کا علم ہوسکا ہے، یہ رباعی ہے: ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے، میرزا صاحب کے خط بنامِ حقیر مورخۂ ۸ مارچ ۱۸۵۵ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس تاریخ سے کچھ ہی قبل لکھی گئی تھی۔ لہٰذا زیرِ نظر نسخے کو مارچ ۱۸۵۵ء اور ستمبر ۱۸۵۵ء کے درمیان مرتب ہو جانا چاہیے۔

تقریظ میں تعدادِ اشعار «۱۶۹۰» اور چند» بتائی گئی ہے، جب کہ خود نسخے میں حسبِ تفصیلِ تحت ۱۷۹۵ اشعار مندرج ہیں:

قطعات	۱۱۵	الف	۳۰۵	ز	۲۰	ل	۹
مثنوی	۳۳	ب	۱۲	س	۷	م	۸
قصائد	۱۶۲	ت	۱۹	ش	۲	ن	۲۲۵
غزلیات	۱٤۵۳ ←	ج	٤	ع	۸	و	۸۰
رباعیات	۳۲	چ	٦	ف	۲	ہ	۳
	۱۷۹۵	د	۹	ك	۱۵	ی	٦٤۸
		ر	٦۹	گ	۲		

اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ میرزا صاحب نے نیر کی تقریظ کی تاریخ تو بدل دی، لیکن سہواً تعدادِ اشعار منقول عنہ ہی کی باقی رکھی۔ یہی غلطی احمدی ایڈیشن کی تقریظ میں بھی موجود ہے، جس کا ذکر آیندہ آرہا ہے۔

نسخۂ رام پور جدید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اسے لفظی، معنوی اور ترتیبی لحاظ سے خوب تر بنانے کی سعی کی تھی اور اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ۱۲٤۸ھ والے ایڈیشن کے بعد اُن کے دیوان کا وہ ایڈیشن ہے، جو اُنھوں نے از سرِ نو خود مرتب کیا تھا۔ ان دونوں نسخوں کے درمیان کے جتنے نسخے ہیں، وہ حقیقی معنوں میں ایڈیشن نہیں کہلا سکتے، بلکہ وہ پچھلے ایڈیشن کی گویا نقل ہیں جن میں نئے کلام کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں نسخۂ رام پور جدید کی خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکے

Scanned with CamScanner

8:54
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

گا کہ یہ نسخہ صحیح معنی میں آخری ایڈیشن ہے۔

میرزا صاحب نے ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ع) میں جب موجودہ انتخاب مرتب کیا، تو اُس کے اندر اصنافِ کلام کی ترتیب یہ رکھی: غزلیات، قصائد، قطعہ، رباعیات۔ ۱۸۴۱ع میں پہلی مرتبہ دیوان کی طباعت ہوئی تو اُس میں بھی یہی ترتیب رہی۔ یہی ترتیب «احمدی» اور اُس کی نقل «نظامی» کی بھی ہے اور اسی کو آج تک سب مطبوعہ نسخوں میں برقرار رکھا گیا ہے۔

اس کے بر خلاف نسخۂ رام پور جدید میں اس ترتیب کو بدل کر یوں کر دیا گیا: قطعات، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات۔ یہ ترتیب اُن کے کلیاتِ فارسی کے مطابق اور اُردو کے سب پچھلے مخطوطوں اور مطبوعہ نسخوں کے خلاف ہے۔ صرف منشی شیو نرائن کا مطبوعہ نسخہ اس سے اس لیے مستثنیٰ ہے کہ وہ اسی نسخۂ رام پور جدید کی نقل ہے۔

اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ متداول دیوانِ اُردو کی ترتیب دو بار ہوئی۔ پہلے ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ع) میں اور دوسری بار ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) میں، اور ۱۲۷۱ھ کی ترتیب زمانے کے لحاظ سے متاخر ہونے کے ساتھ اُن کے فارسی دیوان کی ترتیب ہی نہیں بلکہ رواجِ عام کے بھی مطابق ہے، اس لیے وہی اس کی مستحق ہے کہ کسی تحقیق و تنقیدی ایڈیشن میں اختیار کی جائے۔ چنانچہ اسی واسطے میں نے نسخۂ عرشی کی ترتیب میں نسخۂ رام پور جدید کی ترتیب کو برقرار رکھا ہے۔

چونکہ آخر زمانے میں میرزا صاحب بہت شکستہ خاطر اور بیمار رہنے لگے تھے، اس لیے نسخۂ احمدی کی طباعت کے وقت اُن کا اُس کی پرانی ترتیب کو نہ بدلنا، اُن کی آخری تجویز نہیں کہلا سکتا۔ یہ صرف حالات کے دباؤ کے تحت پیش آمدہ سہل انگاری ہے اور بس۔

نسخۂ رام پور جدید جس کاتب کا لکھا ہوا ہے، میرزا صاحب کے فارسی اور اُردو مصنفات کے عمومی کاتب وہی صاحب ہیں۔ چنانچہ رضا لائبریری میں اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تین فارسی دیوان موجود ہیں۔ اُنھوں نے دیوانِ اردو کی بھی ایک سے زائد نقلیں مختلف زمانوں میں تیار کی تھیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے ایک نسخہ خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی کے پاس میں نے خود دیکھا تھا۔ ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔ جس

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org

کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ اگر یہ وہی خواجہ صاحب کا نسخہ نہیں، تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اس کاتب کے قلم کے تین دیوانِ اردو دیکھ چکا ہوں۔

مدعا یہ ہے کہ میں نے میرزا صاحب کے دیوانِ اردو کے جتنے نسخے دیکھے ہیں، خواہ وہ قلمی تھے یا مطبوعہ، اُن سب سے نسخۂ رام پور جدید املائی اعتبار سے برتر ہے۔ اس میں میرزا صاحب کے ایما سے کاتب نے الفاظ کی کتابت چند خصوصیتوں کو نظر میں رکھ کر کی ہے۔ اور جیسا کہ آیندہ ظاہر ہوگا، وہ خصوصیات ایسی ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے نسخۂ زیرِ بحث کو دوسرے نسخوں کے مقابلے میں ترقی یافتہ یا خوب تر کہنا چاہیے۔ مثلاً:

(۱) لفظ «ایک» کی «ی» جہاں پڑھنے میں نہیں آتی، وہاں «ی» کا سوشہ تو لکھا گیا ہے، مگر نقطے اُڑا دیے گئے ہیں، اور اس کی کتابت یوں کی ہے: ایک۔

(۲) الفاظ «میری» اور «تیری» اور «میرا» اور «تیرا» کی «ی» جہاں ملفوظی نہیں ہے، وہ بھی بدونِ نقاط لکھی گئی ہے۔

(۳) ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ کی جمع جب «ہا» سے بنائی ہے تو پہلی «ہ» بالالتزام لکھی ہے، اور اگر کسی جگہ کاتب سے سہو ہوا ہے، تو میرزا صاحب نے اپنے قلم سے اس غلطی کی اصلاح کر دی ہے۔ چنانچہ اس نسخے میں خندہ‌ہا، بادہ‌ہا، میوہ‌ہا، وغیرہ ملتا ہے، جب کہ دوسرے نسخوں میں اس کی خلاف ورزی نظر آتی ہے۔

(٤) نسخۂ احمدی اور نسخۂ نظامی میں لفظ «تھمے» کو «تھنے» اور «تھنبے» لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں شکلیں «تھمے» کے مقابلے میں قدیم و پس ماندہ ہیں۔

(٥) میرزا صاحب کی ادھیڑ عمر تک دلی والے «کسو» بولتے تھے۔ اُنھوں نے بھی جگہ جگہ یہی لفظ استعمال کیا اور لکھوایا تھا۔ بعد ازاں اس کی شکل «کسی» مروّج ہوگئی، تو اُنھوں نے «کسو» کو ترک کر دیا اور اس ترک کے بعد نہ خود لکھا نہ اپنے یہاں لکھنے دیا۔

نسخۂ احمدی کی اصل میں یہ لفظ اپنی پرانی شکل کے ساتھ لکھا ہوا تھا، اس لیے اس میں «کسو» ہی چھپا۔ اس پر میرزا صاحب کو خاتمۃ الطبع میں لکھنا پڑا کہ یہ اب میری بولی نہیں ہے، اس لیے جہاں کہیں قافیے میں ہو اُسے چھوڑ کر ہر جگہ «کسی» بنا لیا جائے۔

Scanned with CamScanner

8:54
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

نسخۂ زیرِ بحث میں بالالتزام ہر جگہ «کسی» لکھا گیا ہے اور اگر کہیں کاتب نے از راہِ سہو پرانا املا لکھ دیا تھا، تو میرزا صاحب نے اپنے قلم سے اُسے درست کردیا ہے۔

(۶) لفظ «دونوں» کا املا نسخہ ہائے احمدی و نظامی میں «دونو» ہے جو غلط ہے۔ کاتب نے پہلے نسخۂ رام پور جدید میں بھی یونہی لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اپنے قلم سے آخری نون بڑھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نسخۂ احمدی کی اصل کا املا میرزا صاحب کا پسندیدہ نہ تھا، اس لیے اُنھوں نے اپنے قلم سے درست کرنا ضروری جانا۔

(۷) یہی صورت لفظ «پانو» کے املا کی ہے کہ احمدی اور نظامی نسخوں میں اسے «پانوں» لکھا ہے جو میرزا صاحب کی رائے میں غلط ہے اور اسی لیے اُنھوں نے «پانو» ردیف کی غزل کو حرف الواو میں درج کیا ہے۔

(۸) بعض مرکب الفاظ کو میرزا صاحب نے جان کر مفرد کر دیا ہے۔ چنانچہ لفظ «ماہتاب» کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے جو اس شعر میں آیا ہے:

غالبؔ، چھٹی شراب، پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

یہ لفظ نسخہ ہائے احمدی و نظامی میں اسی طرح ملا کر لکھا گیا ہے۔ نسخۂ رام پور جدید کے کاتب نے بھی اسے یونہی مرکب لکھا تھا۔ مگر میرزا صاحب نے خود اسے «ماہ تاب» بنایا جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ «شبِ ماہ تاب» مرکبِ توصیفی ہے۔ اربابِ علم ان دونوں لفظوں کے فرق سے واقف ہیں۔ اس لیے وہ یہ تسلیم کریں گے کہ میرزا صاحب نے اس شعر میں «ماہتاب» کو «ماہ تاب» بنا کر املائی ہی نہیں اصلاحِ معنوی بھی کی ہے۔

(۹) اسی طرح «ہ» پر ختم ہونے والے لفظوں کو حرف ہونے کی حالت میں احمدی و نظامی نسخوں میں بالعموم «ہ» کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ مگر نسخۂ رام پور جدید میں ان کے برخلاف مذکورہ حالت میں «ہ» کو «ی» سے بدل دیا ہے۔ اور اگر کہیں اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو وہ بالیقین سہوِ کاتب ہے۔

(۱۰) احمدی و نظامی نسخوں میں ہے: مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا۔

131
579
Scanned with CamScanner

8:54
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

لفظِ «خرچ» کی اصل «خرج» ہے جو عربی زبان کا ایک لفظ ہے اور جیم کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ میرزا صاحب نے اسے بحالتِ ترکیب «چ» لکھنا نا درست جانا، اور اس لیے نسخۂ رام پور جدید میں اسے «جمع و خرج» لکھوایا۔

سابق سطور میں بہت سی ترمیمیں گزر چکی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ نسخۂ رام پور جدید آخری ایڈیشن ہے۔ ذیل میں کچھ اور ایسے اختلافات پیش کرتا ہوں جو اس نسخے کے آخری ایڈیشن ہونے کا ثبوت ہیں:

(۱) احمدی و نظامی نسخوں میں ہے: شایانِ دست و بازوے قاتل نہیں رہا۔ نسخۂ رام پور جدید میں «بازو» کی جگہ «خنجر» رکھا گیا ہے۔

(۲) مذکورہ نسخوں میں ہے: ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں، کھاویں گے کیا۔ نسخۂ رام پور جدید میں «رہیں» کی جگہ «رہے» لکھا گیا ہے۔

(۳) مذکورہ نسخوں میں ہے: وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں۔ نسخۂ رام پور جدید میں «کہ کہتے تھے» کی جگہ «جو کہتے تھے» ہے۔

(٤) مذکورہ نسخوں میں ہے: سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر، ورنہ یاں۔ نسخۂ رام پور جدید میں «سوزش» کی جگہ «شورش» ہے۔

(٥) مذکورہ نسخوں میں ہے: شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے۔ نسخۂ رام پور جدید میں «نہ ہووے» کی جگہ «نہ رہوے» ہے۔

(٦) مذکورہ نسخوں میں ہے: تب چاکِ گریباں کا مزہ ہے، دلِ نالاں۔ نسخۂ رام جدید میں «نالاں» کی جگہ «ناداں» ہے۔

(۷) مذکورہ نسخوں میں ہے: کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم۔ نسخۂ رام پور جدید میں «کہ اُس کو» کی جگہ «جو اُس کو» ہے۔

(۸) مذکورہ نسخوں میں ہے: اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق۔ نسخۂ رام پور جدید میں «منھ پر رونق» کی جگہ «رونق منھ پر» ہے۔

(۹) مذکورہ نسخوں میں ہے: وہ بد خو اور میری داستانِ عشق طولانی۔ نسخۂ رام پور

132
579
Scanned with CamScanner

8:54
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

جدید میں «داستانِ عشق» کی جگہ «داستانِ شوق» ہے۔

(۱۰) مذکورہ نسخوں میں ہے «باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار» نسخۂ رام پور جدید میں «دکھاؤں گا» کی جگہ «دکھادوں گا» ہے۔

حسبِ ذیل خصوصیات بھی اس نسخے کو دیگر نسخوں سے ممتاز کرتی ہیں:

(۱) ناموں اور اہم جملوں اور الفاظ کو شنگرفی روشنائی سے یا جلی قلم سے لکھا گیا ہے، مثلاً «مثنوی انبہ» میں ورق ۷ ب پر:

فخرِ دیں، عزِ شان و جاہِ جلال　　زینتِ طینت و جمالِ کمال

کے اندر «فخرِ دیں» کو سرخ لکھا ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ کاتب کے نزدیک یہ عَلَم ہے اور اس سے مرزا فخرو ولیعہدِ سلطنت مراد ہیں۔ اس کے بعد آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ مثنوی کی تاریخِ نظم نومبر ۱۸۵٤ع اور ۱۰ جولائی ۱۸۵٦ع کے درمیان ہے، کیونکہ مرزا فخرو اول الذکر تاریخ میں ولیعہد بنے تھے اور موخر الذکر کو انتقال کر گئے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ ولیعہد کا لقب تو فخر الدین تھا، لہذا فخرِ دین سے وہ مراد نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ شاعر القاب میں اتنی ترمیم کرلیا کرتے ہیں، جیسا کہ میرزا صاحب نے نواب تجمل حسین خاں بہادر والیِ فرخ آباد کو، «نصیرِ دولت و دین اور معینِ ملت و ملک» (۷۰ الف) لکھا ہے، حالانکہ اُن کا لقب نصیر الدولہ، معین الملک تھا۔ چونکہ میرزا صاحب کا کاتب اس امر سے واقف تھا، اس لیے اُس نے زیرِ بحث نسخے میں لفظِ «نصیر» کو جلی قلم سے تحریر کیا ہے۔

(۲) اکثر جگہ علاماتِ اعراب بھی لگائی ہیں۔ اُن میں سے بعض اہم ہیں، مثلاً:

مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں　　غم سے جب ہوگئی ہو زیست حرام

(۱۱ الف) میں «ہی» کو بکسرِ ہاے ہوز لکھا ہے، تاکہ اسے کوئی «مے ہے» نہ پڑھ لے۔

یا　　میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی　　اے وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی

(٤۸ ب) «اے» کو بکسرِ الف لکھا ہے۔

یا　　ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے　　پر تجھ سی کوئی شے نہیں ہے

(٦۱ الف) میں «سی» بکسرِ سین لکھا ہے تاکہ اسے «تجھ سے» نہ پڑھا جا سکے۔

Scanned with CamScanner

8:54
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

یا سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

(٥٦ ب) میں «تو» بفتحِ تا لکھا ہے۔

(٣) نشہ کو عموماً بتشدیدِ شین لکھا ہے، اور جہاں کاتب سے تشدید رہ گئی تھی وہاں میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بڑھائی ہے۔

(٤) عموماً گاف کے مرکز، اور بعض جگہ واوِ عطف بھی، شنگرفی لکھے ہیں۔ نیز مرکب ردیفوں سے پہلے ایک سرخ نقطہ لگایا ہے۔

مذکورہ امتیازات کے پیشِ نظر اہلِ ذوق کو یہ ماننا پڑے گا کہ انھوں نے دیوان کے لفظی و معنوی حسن میں بالیقین اضافہ کیا ہے، اور یہ نتیجہ ہے اُس خصوصی توجہ کا جس سے میرزا صاحب نے اس نسخے کی ترتیب میں کام لیا۔ اس لیے نسخۂ رام پور جدید ہی اس اعزاز کا پورے طور پر مستحق ہے کہ اسے میرزا صاحب کا آخری پسندیدہ ایڈیشن قرار دے کر آیندہ ایڈیشنوں میں اس کی قرأت اور ترتیب کو آخری قرأت اور ترتیب کے طور پر برقرار رکھا جائے، بجز اُن صورتوں کے جہاں میرزا صاحب نے مزید اصلاح کردی ہو۔

١٢ - انتخاب غالب۔ اس کی علامت خ ہے۔

یہ انتخاب ١/٤ ١٢ × ٣/٤ ٧ انچ کے طول و عرض کے ٦٤ صفحات پر مشتمل ہے۔ سطریں ١٣ سے ١٦ تک ہیں۔ کاغذ باریک، اور ولایتی سفید ہے۔ متن کی روشنائی سیاہ اور عنوان سرخ ہے۔ قلم اول سے آخر تک ایک اور نستعلیق خط بہت معمولی، اور حسبِ قولِ میرزا صاحب اغلاط سے پُر ہے۔ انھیں میرزا صاحب نے جگہ جگہ درست کیا ہے، مگر پھر بھی اصلاحوں سے زیادہ غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ہر نئی غزل کے پہلے مصرعے کے آغاز میں سرخ روشنائی سے ایک چھوٹی سی لکیر کھینچ دی ہے، تاکہ سابق سے اُس کا امتیاز نمایاں ہو جائے۔ ٤٨ صفحوں تک صفحات کے ہندسے بھی ملتے ہیں۔ اوراق پر کرخوردگی کے نشان اور کاغذ پر کہنگی کے اثرات موجود ہیں۔

معمولی نقطوں یا مرکزوں کی اصلاحوں سے قطعِ نظر، صفحات ٦، ١٢، ١٤، ١٧، ٢٢، ٢٦، ٢٧، ٣١، ٣٢، ٣٣، ٣٤، ٣٦، ٣٧، ٣٨، ٤٨، ٤٩، ٥٤، ٥٨، ٦٣، ٦٤ پر میرزا صاحب کے قلم کی

134
579
Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ممتاز لفظی اصلاحیں ملتی ہیں، جن میں اغلاطِ املا کی تصحیح اور ساقط لفظوں کا اضافہ دونوں شامل ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مطبع نظامی، کانپور کے مطبوعہ نسخہ پر اس انتخاب کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس لیے کہ

(۱) دہلی اور آگرے کے نسخوں میں میرزا صاحب کی وہ غزل نہیں ہے، جس کا مطلع ہے:

کیوں کر اُس بت سے رکھوں جانِ عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز؟

نظامی پریس کے نسخے میں یہ غزل پائی جاتی ہے، اور اس انتخاب میں بھی موجود ہے۔

(۲) میرزا صاحب کی مشہور غزل: «نویدِ امن ہے بیدادِ دوست جاں کے لیے»، کا یہ شعر نسخۂ نظامی میں اس طرح چھپا ہے:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری خوشامد سے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

زیرِ بحث نسخے میں بھی یہی الفاظ مندرج ہیں۔

(۳) میرزا صاحب کی ایک رباعی کا مصرع دہلی اور آگرے کے نسخوں میں اس طرح ہے: «یعنی ہر بار کاغذِ باد کی طرح»۔ میرزا صاحب نے دہلوی نسخے کے غلط نامے میں اپنے مصرع: «دود کی طرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے» میں «صورتِ دود» بنایا تھا، مگر یہ تغیر رباعی کے اندر سہواً رہ گیا تھا۔ نظامی میں اس کی اصلاح بھی پائی جاتی ہے۔ نسخۂ انتخاب اس محل پر بھی نظامی کے مطابق ہے۔

ان مواقع کے علاوہ بھی ہر جگہ انتخاب کا متن نسخۂ نظامی کے متن سے موافقت و اتحاد رکھتا ہے، جیسا کہ «اختلافِ نسخ» میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اگر انتخابِ اشعار کی خاطر میرزا صاحب نے نسخۂ نظامی پر صاد نہ بنائے ہوتے، تو ان دونوں میں الفاظ کا مذکورۂ بالا اتحاد ناممکن تھا۔

نظامی ایڈیشن میں ۱۸۰۲ بیت تھے، جن میں سے زیرِ بحث انتخاب میں ۸۴۷ اشعار باقی

135
579
Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

رکھے گئے ہیں۔ ان میں غزلیات کے ۱۴۶۰ شعروں میں سے ۶۷۲ منتخب اشعار کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الف	۱۳۹	د	۵	ک	۴	و	۴۲
ب	۱	ر	۳۵	ل	۲	ی	۳۱۶
ت	۸	ز	۵	م	۴		
ج	۲	س	۳	ن	۱۰۶		

ان کے علاوہ قصائد کے ۱۶۲ ابیات میں سے ۹۲، مثنوی در صفتِ انبہ کے مکمل ۳۳ اور قطعات کے ۱۱۵ اشعار میں سے ۴۰ چنے گئے ہیں۔ ۱۶ رباعیات میں سے صرف ۵ انتخاب میں آئی ہیں۔

بظاہر حال، نسخۂ نظامی کی موجودگی میں انتخاب کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن میرزا صاحب نے اس میں چند تازہ اصلاحیں کی ہیں، اور وہ اہم بھی ہیں، اس لیے میں نے اسے بھی اپنے ماخذوں میں شامل کر لیا ہے۔

ب: مطبوعہ نسخے

۱ - پہلا ایڈیشن - اس کی علامت م ہے۔

میرزا صاحب کے دیوان کا پہلا مطبوعہ نسخہ مطبعِ سیدالاخبار دہلی میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے ختمِ طباعت سے کچھ پہلے میجر جان جاکوب کو لکھا ہے[1]۔

«نہان مباد کہ نقشِ مطبعِ سیدالاخبار انگیختۂ طبعِ یکی از دوستانِ روحانی منست۔ ہمانا کارفرمای این نوآئین کدہ، آن می سگالد کہ درین کارگاہ نقشہای بدیع انگیزد و فرو ریختہ ہای خامۂ غالبِ بے نوا را بقالبِ انطباع فرو ریزد۔ ازاں جملہ دیوانِ ریختہ کہ در ناتمامی تمام است، عجب نیست کہ ہم درین ماہ بتمامی و آنگاہ بنظر گاہِ سامی رسد»۔

یہ مطبع سرسید کے بھائی، سید محمد خاں بہادر نے دہلی میں قائم کیا تھا اور سید المطابع یا مطبعِ سیدالاخبار کے نام سے مشہور تھا۔ شعبان ۱۲۵۷ھ (اکتوبر ۱۸۴۱ع) میں میرزا صاحب کا دیوان اس مطبع میں چھپنا شروع ہوا، اور ۲۷ رمضان (۱۲ نومبر) تک زیرِ طبع رہا۔ تاریخِ

۱ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۸۲ -

136
579
Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

آغاز سرورق پر مذکور ہے، اور ۲۷ رمضان تک اختتام نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ رباعی بھی شامل ہے: ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم۔ اور از روئے حساب دوالی اور شبِ قدر کا اجتماع اسی تاریخ کو ہوا تھا۔ سرورق کا اصل نمبر کتاب کی ترتیبِ صفحات میں شامل ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دیوان سرورق پر مذکور تاریخِ طباعت کے بعد تک چھپتا رہا تھا۔

صولت پبلک لائبریری رام پور میں اس ایڈیشن کا ایک نسخہ محفوظ ہے جس کے سرورق پر حسبِ ذیل عبارت اس طرح پانچ سطروں میں لکھی ہے:

دیوانِ اسد اللہ خان صاحب غالب تخلص

مرزا نوشہ صاحب مشہور کا دہلی میں سید محمد خان بہادر کے چھاپہ خانہ کے

لیتھو گرافک پریس میں شہرِ شعبان

سنہ ۱۲۵۷ ہجری مطابق ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۴۱ عیسوی کو سید عبدالغفور کے

اہتمام میں چھاپا ہوا

سرورق کی پہلی سطر کے آخر میں لفظِ تخلص کے اوپر سید محمد خاں کے دستخط ہیں۔

صفحات کی تعداد ۱۰۸ ہے۔ آخر میں ایک ورق اور شامل ہے، جس کے پہلے صفحے پر ۱۵ غلطیوں کا ایک غلط نامہ دیا گیا ہے۔ مگر کاتب نے اس پر مسلسل یا نئے ہندسے نہیں ڈالے ہیں۔ اس کتاب کا مسطر ۱۳ سطری ہے۔ ہر دو غزلوں کے درمیان کی ایک سطر کاتب نے سادہ چھوڑ دی ہے، جس کے باعث سے اکثر و بیشتر صفحات میں مکتوبی سطریں ۱۲ سے کم رہ گئی ہیں۔ کاغذ پرانی وضع کا دیسی بالس کا بنا ہوا ہے۔ کتاب کا طول و عرض ۸ ۱/۲ × ۵ ۱/۴ انچ اور کتابت کا ۶ ۱/۴ × ۳ ۱/۲ انچ ہے۔ خط نستعلیق ہے اور پوری کتاب جدولوں سے خالی ہے۔

مضامین کی ترتیب یہ ہے:

ص ۱ سر نامہ (اس کی پوری عبارت نقل کی جا چکی ہے)

ص ۲ (سادہ ہے)

137
579
Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ص ۳-۵ (دیباچۂ فارسی۔ اس کے آخر میں کوئی تاریخ نہیں ہے)
ص ۵ سطر ٤ «یا اسد اللہ الغالب»
" سطر ۵ غزلیات، ردیف الالف (لیکن الفاظ «ردیف الالف» نسخے میں محذوف ہیں۔ اس ردیف کے دو مصرعے سہواً ساقط ہوگئے تھے جن کی تصحیح غلط نامے کی رو سے ہو جاتی ہے۔ تعدادِ اشعار: ۲۲۹)
ص ۲۵ ردیف الباء الموحدہ (تعدادِ اشعار: ۱۲)
ص ۲٦ ردیف التاء المثناۃ الفوقانیہ (تعدادِ اشعار: ۱۹)
ص ۲۸ ردیف الجیم المعجمۃ التازیہ (تعدادِ اشعار: ٤)
ص ۲۹ جیم الفارسی (لفظِ ردیف محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ٦)
ص ۲۹ ردیف الدال المہملہ (ایک شعر: خوں ہے دل خاک میں الخ کاتب سے سہواً چھوٹ گیا ہے۔ تعدادِ اشعار: ۸)
ص ۳۰ ردیف الراء المہملہ (تعدادِ اشعار: ۳۹)
ص ۳۳ ردیف الزاء المعجمہ (تعدادِ اشعار: ۲۰)
ص ۳۵ ردیف السین المہملہ (تعدادِ اشعار: ۷)
ص ۳٦ ردیف الشین المعجمہ (تعدادِ اشعار: ۲)
" ردیف العین المہملہ (تعدادِ اشعار: ۸)
ص ۳۷ ردیف الفاء (تعدادِ اشعار: ۲)
" ردیف الکاف تازیہ (الف لامِ «التازیہ» محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۱۵)
ص ۳۸ کافِ فارسی (لفظِ ردیف وغیرہ محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۲)
" ردیفِ لام (الف لام محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۹)
ص ۳۹ ردیف المیم (تعدادِ اشعار: ۸)
ص ٤۰ ردیف النون (تعدادِ اشعار: ۱۲۷)
ص ۵۲ ردیف الواو (یہ عنوان پورا محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۳۸)

138
579
Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ص ۵۵ ردیف الف (تعدادِ اشعار: ۳)

" ردیف الف (تعدادِ اشعار ۴۴۱ - لیکن اس ردیف میں کلکتے کی تعریف والے قطعے کے ۳ شعر سہواً چھپ گئے ہیں، اس لیے مکرر اشعار کم کرنے کے بعد صحیح تعداد ۴۳۸ ہوتی ہے)

ص ۹۴ سطرِ آخر «تمام شد غزلیات»

ص ۹۵ «منتخبِ قصیدۂ منقبتِ علیِ مرتضیٰ علیہ السلام» (تعدادِ اشعار: ۲۵ - اس میں ۳ شعر غالباً کاتب سے چھوٹ گئے ہیں، کیونکہ وہ قب میں شامل ہیں۔)

ص ۹۷ «انتخابِ قصیدۂ منقبتِ علیِ مرتضیٰ علیہ السلام» (تعدادِ اشعار: ۳۳)

ص ۹۹ سطر ۸ «قطعات»

" سطر ۹ «قطعہ در نمایشِ عنوانِ دلاویزیِ گفتار، و آسان کردنِ اندوہِ پشیمانی بر دل دلدار» (تعدادِ اشعار: ۲)

" «چمن سرمایہ کردنِ گفتار بستایش کلکتہ، کہ اگر فردوس توان گفت، ارم است البتہ» (تعدادِ اشعار: ۴)

ص ۱۰۰ با دوست از سپاسِ عطای ہدیہ سخن راندن، و متاعِ گزیدۂ سخن در برابرِ آن افشاندن» (تعدادِ اشعار: ۱۳)

ص ۱۰۱ سطر ۶ «رباعیات» (تعدادِ اشعار: ۲۰)

ص ۱۰۳ سطر ۷ تقریظ (نوشتۂ نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر)

یہ تقریظ سنہ ہزار و دویست و پنجہ و چہار ہجریہ نبویہ (۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ع) میں لکھی گئی ہے۔ تعدادِ اشعار کے بارے میں لکھا ہے کہ:

«ہمگی اشعارِ شعریٰ شعارِ غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی ہزار و نود و ہشت اند یا قم»۔

لیکن سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید[1] میں اس تقریظ کو نقل کرتے ہوئے سنہ ۱۲۵۴ھ کے ساتھ تعدادِ اشعار «یك ہزار و ہفتاد و اند» درج کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترتیبِ دیوانِ ریختہ کے وقت اشعار کی کل تعداد ۱۰۷۰ سے کچھ اوپر تھی۔ جب طباعت

۱ - کتاب مذکور: باب ۴، ۱۵۵ - ۱۵۸، طبع اول ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ع مخزونہ صولت پبلك لائبریری رام پور۔

139
579
Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے وقت اس میں اضافہ ہوکر کل اشعار ۱۰۹۰ سے کچھ زیادہ ہوگئے، تو تعداد میں ترمیم کردی گئی۔ اصولاً یہاں تاریخ بھی بدلنا چاہیے تھی۔ لیکن کسی وجہ سے ایسا نہیں ہوا۔

اس عبارت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ نیر نے اصل میں «ہزار و نود و اند» لکھا تھا۔ لفظِ «ہشت» کتاب کے چھپ جانے کے بعد کاتب یا مصحح نے اشعار گن کر ایزاد کیا ہے۔ اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ «اند» بمعنیِ «چند» مبہم اکائی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب «ہشت» نے اکائی کی جگہ پُر کردی، تو اس لفظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور بے ضرورت لفظ کا غلط استعمال نیر جیسے ادیب سے ناممکن ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اشعار کی یہ تعداد بھی درست نہیں۔ کتاب میں کل اشعار ۱۰۹۳ ہیں۔ البتہ میرزا صاحب کے قطعے:

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے، ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

کے تین بیت حصۂ غزلیات کی ردیف الیاء میں سہواً مکرر چھپ گئے ہیں، جس کے سبب سے میزان میں ۳ کا اضافہ ہوکر حاصل ۱۰۹۶ نکلا ہے۔

یہ ایڈیشن صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود، اور اس کی ایک جدید عکسی اور دوسری قدیم دستی نقل رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

۲- دوسرا ایڈیشن۔ اس کی علامت ما ہے۔

اس نسخے کے چھ سال بعد مئی ۱۸۴۷ع میں دوسرا ایڈیشن مطبعِ دارالسلام دہلی نے جس کا دوسرا نام مطبعِ صادق الاخبار بھی تھا، چھاپ کر شائع کیا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر صفحہ نمبر ۱ درج ہے، اور بیضوی دائرے کے اندر حسبِ ذیل عبارت ۱۳ سطروں میں چھپی ہے:

«دیوانِ اردو تصنیفِ مشتریِ اوجِ حق پژوهی و خدادانی، رصد بندِ فلک البروجِ معارفِ سبحانی، افصحِ فصحای دوران، شاهنشهِ شعرای ممالکِ ایران و هندوستان، دقاقِ غوامض و رموزِ سخن سنجی و نکته دانی، خلاقِ مضامین و معانی، سرآمدِ اربابِ فضل و کمال، مهرِ سپهرِ نبالت و اجلال، جنابِ مستطابِ منیع الالقاب، میرزا اسد الله خان بهادر، ادام الله برکاتهم و حسناتهم، المتخلص بغالب و اسد، به تصحیح و مقابلهٔ جنابِ مصدر المدح در مطبعِ دارالسلامِ دهلی واقع محلهٔ حوض

Scanned with CamScanner

8:55
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

قاضی مبنیۂ اقل العباد عنایت حسین در ماہِ مئی سنہ ۱۸۴۷ع باہتمامِ نور الدین احمد لکھنوی حلیۂ انطباع پوشید۔

اس نسخے میں ترتیبِ مضامین پہلے ایڈیشن کے مطابق ہے۔ مگر غزلوں کی ردیفوں کے عنوانات حذف کردیے گئے ہیں، اور قصائد کے عنوانوں کی عبارتوں میں بھی ردّ و بدل کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے قصیدے کا عنوان یہ قرار پایا ہے: «افزایشِ آبروی گوہرِ سخن بہ ثنائے ابوالائمہ حضرت علیِ مرتضیٰ علیہ التحیۃ و الثنا۔» دوسرے کا عنوان «ایضاً فی المنقبت» ہے۔

نیر کی تقریظ میں تاریخ سنہ ۱۲۵٤ھ ہی ہے۔ مگر اشعار کی تعداد «یک ہزار و یک صد و اند» بنادی گئی ہے۔ گویا چھے برس کے اندر میرزا صاحب نے اردو کے کل سولہ شعر کہے تھے جو اس نسخے میں بڑھا دیے گئے۔ دونوں ایڈیشنوں کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزلیات میں صرف نواب تجمل حسین خاں کی مدحیہ غزل کا اضافہ ہوا ہے، جس کے چودہ شعر ہیں۔ نیز قطعات میں بیسنی روٹی والا دو شعر کا قطعہ بڑھایا گیا ہے۔

یہ نسخہ ۱/۲ ۱۰ × ۷، ۸ × ۱/٤ ٤ سائز کے ۱۵ سطری ۹۸ صفحوں پر چھپا ہے۔ کاغذ باریک انگریزی سفید اور خط معمولی نستعلیق ہے۔ ہر غزل کے آغاز میں عنوان پر لفظِ «غزل» یا «ولہ» لکھا گیا ہے۔ صرف ۲ جگہ لفظِ فرد ہے، اور ٥ جگہیں خالی رہ گئی ہیں۔

اس ایڈیشن کا ایک نسخہ دہلی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ تھا جو اب وہاں سے گم ہو گیا ہے۔ مگر اُس کی ہو بہو نقل اُسی سائز اُسی مسطر اور اُسی املے میں رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ ۱۹٤۷ع کے بعد ایک پرانی کتابیں بیچنے والے سے بھی مل گیا ہے۔ اس میں صفحات ٥ تا ٤٠ تو نہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے آخری سادہ اوراق پر میرزا صاحب کا وہ کلام نقل کیا گیا ہے، جو اُنھوں نے اِس دیوان کی اشاعت کے بعد کہا تھا۔ اُس کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

۱۔ میں اور بزم — کیا ہوا تھا	۳ شعر	٤۔ ذکر اُس پریوش — بیاں اپنا	۸ شعر
۲۔ گھر ہمارا — ویراں ہوتا	۳ شعر	٥۔ گھر جب بنالیا — پر کہے بغیر	۹ شعر
۳۔ ہوئی تاخیر — تاخیر بھی تھا	۱۱ شعر	٦۔ حیراں ہوں — جگر کو میں	۱۰ شعر

1/41
579
Scanned with CamScanner

8:56
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

- دایم پڑا ہوا — در پر نہیں ہوں میں ۸ شعر
تم جانو — راہ ہو ۷ شعر
- تسکیں کو — نظر ملے ۷ شعر
- کوئی دن گر زندگانی اور ہے ٦ شعر
- کوئی امید بر نہیں آتی ۱۰ شعر
- دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ۱۱ شعر
- کہتے تو — غالیہ مو آئے ۹ شعر
- حسنِ مہ — کمال اچھا ہے ۱۰ شعر
- شکوے کے نام — خفا ہوتا ہے ۱۳ شعر
١٦- ہر ایك بات — تو کیا ہے ۱۰ شعر
۱۷- ابنِ مریم ہوا کرے کوئی ۱۰ شعر
۱۸- اے شہنشاہ — عدیل ۱۷ شعر
۱۹- یہ نہ تھی — یار ہوتا ۱۱ شعر
۲۰- نہ تھا کچھ — خدا ہوتا ۳ شعر
۲۱- اُس بزم — حیا کیے ۹ شعر
۲۲- میں اُنھیں — ہیے ہوتے ٤ شعر
۲۳- منظور — نور کی ۹ شعر

۳- تیسرا ایڈیشن۔ اس کی علامت مب ہے۔

میرزا صاحب کے کلام کے جو قلمی نسخے نیر اور حسین میرزا کے پاس تھے، وہ ۱۸۵۷ء ہنگامے میں لٹ گئے۔ مگر اس فتنے کے پیدا ہونے سے کچھ دن پہلے میرزا صاحب نے کلیات کا ایك قلمی نسخہ نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کو تحفے میں بھیج دیا تھا۔ وہ پور کے کتاب خانے میں محفوظ تھا۔ دلی کے بعض احباب کے پاس مطبوعہ نسخے کے علاوہ غیر مطبوعہ کلام بھی تھا، جسے اُنھوں نے حواشی پر درج کرلیا تھا۔ چنانچہ اپریل ۱۸۵۹ء منشی شیونرائن نے غالباً اخبار میں چھاپنے کے لیے میرزا صاحب سے کچھ اردو کلام کیا، تو اُس کے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۹ اپریل کو تحریر فرمایا[۱]:

«صاحب، میں ہندی غزلیں بھیجوں کہاں سے؟ اردو کے دیوان چھاپے کے ناقص ہیں۔ غزلیں اُس میں نہیں ہیں۔ قلمی دیوان جو اتم اور اکمل تھے، وہ لٹ گئے۔ یہاں سب کو رکھا ہے کہ جہاں بِکتا ہوا نظر آجائے لے لو۔ تم کو بھی لکھ بھیجا.... ایك دوست کے اردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے۔ اُس نے کہیں کہیں سے مسوداتِ متفرق بہنچالیے ہیں۔ چنانچہ «پنہاں ہوگئیں، ویراں ہوگئیں» یہ غزل مجکو اُسی سے ہات آگئی ہے۔ میں نے اُس کو لکھا ہے اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ خط لکھ کر رہنے دوں گا۔

اردوے معلی:۳٦۸، خطوط:۱/۲۹۳۔

142
579
Scanned with CamScanner

8:56
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

جب اُس کے پاس سے ایک غزل یا دو غزل آجائے گی، تو اُسی خط میں ملفوف کر کے بھیج دوں گا۔

منشی شیونرائن اور اُنھیں جیسے مخلص تلامذہ اور احباب کی دلچسپی میرزا صاحب کے دیوانِ ریختہ کی نبارہ طباعت کا موجب ہوئی۔ اس کی تفصیل خود میرزا صاحب نے رام پور سے دہلی واپس جاکر اپریل ۱۸۶۰ء میں شیو نرائن کو اس طرح لکھی ہے[1]:

«میاں، دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت بھی سن لو، تب کچھ کلام کرو۔ میں رام پور میں تھا کہ ایک خط پہنچا۔ سرنامے پر لکھا تھا: عرضداشتِ عظیم الدین احمد من مقامِ میرٹھ۔ واللہ، باللہ، اگر میں جانتا ہوں کہ عظیم الدین کون ہے اور کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہر حال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فایدہ اُٹھانے کے واسطے چھاپا چاہتے ہیں۔ خیر، چُپ ہو رہا۔ جب میں رام پور سے میرٹھ آیا، بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں اُترا۔ وہاں منشی ممتاز علی صاحب، میرے دوستِ قدیم، مجکو ملے۔ اُنھوں نے کہا کہ اپنا اُردو کا دیوان مجکو بھیج دیجے گا۔ عظیم الدین، ایک کتاب فروش، اُس کو چھاپا چاہتا ہے۔

اب تم سنو: دیوانِ ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ مگر ہاں، میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خاں بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رام پور جانے لگا، تو بھائی نواب ضیاءالدین خاں صاحب نے مجکو تاکید کردی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوانِ اُردو لے کر، اُس کو کسی کاتب سے لکھوا کر مجکو بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیلِ ڈاک ضیاءالدین خاں کو دلی بھیج دیا تھا۔

آمدم بر سرِ مدعائے سابق۔ اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا، تو مجھے یہی کہنے بن آئی کہ اچھا دیوان تو میں ضیاءالدین خاں سے لے کر بھیج دوں گا، مگر کاپی کی تصحیح کا ذمہ کون کرتا ہے؟ نواب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ «میں»۔ اب کہو میں کیا کرتا؟ دلی آکر، ضیاءالدین خاں سے دیوان لے کر، ایک آدمی کے ہات نواب مصطفیٰ خاں کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں اپنی خواہش سے چھپواتا، تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا؟ آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفیٰ

۱ - اردوے معلی: ۳۸۱ خطوط: ۴۰۳/۱ -

Scanned with CamScanner

8:56
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

خاں صاحب کو ایک خط بھیجا ہے اور اُن کو لکھا ہے: "اگر چھاپا شروع نہ ہوا ہو، تو نہ چھاپا جائے۔ اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر دیوان آ گیا، تو فوراً تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور اگر وہاں کاپی شروع ہوگئی ہے، تو میں ناچار ہوں، میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ اور اگر (اس) سرگذشت کو بھی سن کر مجکو گنہ گار ٹھہراؤ، تو اچھا، میرا بھائی، میری تقصیر معاف کیجیو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہوا ہے، یقین ہے کہ کاپی شروع نہ ہوئی ہو اور دیوان میرا میرے پاس آئے اور تم کو پہنچ جائے"۔

۹ مئی ۱۸۶۰ع تک یہ دیوان میرٹھ سے واپس نہیں آیا تھا۔ یوسف مرزا کو میرزا صاحب نے لکھا ہے[1]:

"میرا اردو کا دیوان میرٹھ کو گیا۔ سکندر شاہ لے گئے۔ مصطفیٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں اُس کی رسید آ گئی"۔

دوشنبہ ۱۱ جون کو سیاح کو لکھا ہے[2]:

"دیوان کا چھاپا کیسا؟ وہ شخصِ ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا، آدمی نہیں ہے، بھوت ہے، پلید ہے، غول ہے۔ قصہ مختصر، سخت نامعقول ہے۔ مجکو اُس کے طور پر انطباعِ دیوان نامطبوع ہے۔ اب میں اُس سے دیوان مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہات آجائے۔ تم دعا مانگو"۔

اس اثنا میں دیوان کا مسودہ میرٹھ سے واپس آ گیا۔ ۲۵ جون کو اُس کا پارسل میرزا صاحب نے شیو نراین کو ارسال کر کے لکھا[3]:

صاحب، میں تمہارا گناہ گار ہوں۔ تمہاری کتاب میں نے دبا رکھی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت سے اُس کو وہاں نہ چھپنے دیا اور منگوا لیا۔ آج پیر کے دن ۲۵ جون کو پارسل کی ڈاک میں روانا کیا ہے۔ لو، اب میری تقصیر معاف کرو اور مجھ سے راضی ہو جاؤ اور اپنی رضا مندی کی مجھے اطلاع دو۔

یہ کتاب، یعنی دیوانِ ریختہ، تم کو میں نے دے ڈالا۔ اب اس کے مالک تم ہو۔ میں نہیں کہتا کہ چھاپو۔ میں نہیں کہتا کہ نہ چھاپو۔ جو تمہاری خوشی ہو، سو کرو۔ اگر چھاپو،

۱۔ اردوے معلی: ۳۳۲۔ ۲۔ ایضاً: ۱۶۔ ۳۔ خطوط: ۱/ ۴۰۴۔

144
579
Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تو بیس جلد کا خریدار مجکو لکھ لو۔ اور اچھا، میرا میاں، زرا تصحیح کا بہت خیال رکھیو»۔

اور عید کے دن ۳۰ جون ۱۸۶۰ع کو سیاح کو تحریر کیا[1]:

«میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ اردو کا دیوان غاصبِ ناانصاف سے ہات آگیا اور میں نے نور چشم منشی شیونراین کو بھیج دیا۔ یقینِ کلی ہے کہ وہ چھاپیں گے۔ جہاں تم ہو گے، ایک نسخہ تم کو پہنچ جائے گا»۔

اور علائی کو اس خط کے دو دن بعد لکھا[2]:

«اُردو کا دیوان رام پور سے لایا ہوں اور وہ آگرے گیا ہے۔ وہاں منطبع ہوگا»۔

شیو نراین نے اس مسودے کی جامعیت میں شبہے کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے ۳ جولائی ۱۸۶۰ع کو لکھا[3]:

«میاں، تمھاری باتوں پر ھنسی آتی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے، اتم و اکمل ہے۔ وہ اور کون سی دو چار غزلیں ھیں جو مرزا یوسف علی خاں عزیز کے پاس ھیں اور اس دیوان میں نہیں؟ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باھر نہیں»۔

کسی وجہ سے شیونراین نے اس کی طباعت میں تاخیر کی۔ میرزا صاحب نے محمد حسین خان تحسین کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔ غالباً یہ مسئلہ نیر کی سفارش پر طے ہوا، اور اُنھوں نے اپنا نسخہ جس کی تکمیل نسخۂ رام پور سے کی جا چکی تھی عطا کیا[4]۔ ورنہ میرزا صاحب کو اُن کے مطبع میں دیوان چھپوانے کی خواہش نہ تھی، جیسا کہ خود اُنھوں نے اس نسخے کے خاتمۂ طبع میں لکھا ہے۔

۲۰ محرم ۱۲۷۸ھ (آخر جولائی ۱۸۶۱ع) کو یہ نسخہ ۱/۴ ۱۰ × ۱/۲ ۶، ۳/۴ ۸ × ۳/۴ ۴ انچ ناپ کے ۲۵ سطری مسطر پر ۸۸ صفحات میں طبع ھوا۔ اس کے سرورق پر بیل بوٹوں کے درمیان

۱۔ اردوے معلی:۲۶۔ ۲۔ ایضاً:۴۳۶، خطوط: ۱/۳۲۱۔ ۳۔ اردوے معلی:۳۸۴، خطوط ۱: ۱/۴۰۵۔

۴۔ اس قیاس کی چند وجہیں ھیں: پہلی یہ کہ نسخۂ رام پور کی ترتیب انواع شعر اس کے بر خلاف ہے۔ دوسری یہ کہ غزلوں کی ترتیب بھی بدلی ھوئی ہے۔ تیسری یہ کہ احمدی ایڈیشن میں لفظ کسی کی جگہ کسو لکھا گیا ہے، جس کی خاتمے میں میرزا صاحب نے شکایت بھی کی ہے۔ اس کے برخلاف نسخۂ رام پور میں ہر جگہ کسی استعمال ھوا ہے، بجز مقامات قافیہ کے۔ چوتھی یہ کہ احمدی ایڈیشن میں یہ شعر پایا جاتا ہے: مقطع سلسلہ — حرم ہے ہم کو، جب کہ نسخۂ رام پور میں یہ شعر نہیں ہے۔

145
579
Scanned with CamScanner

8:56
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مندرجِ ذیل عبارت چھپی ہے[1]:

والشعراء یتبعھم الغاوٗن

دیوانِ غالب

در مطبعِ احمدی باہتمامِ امّو جان طبع شد

اس کے شروع میں فارسی دیباچہ، اُس کے بعد ص ۳ سے ص ۷۰ تک غزلیات، اور اسی صفحے کی سولھویں سطر سے صفحۂ ۷۷ تک قصائد ہیں۔ آموں کی تعریف والی مثنوی صفحۂ ۷۷ کی بارھویں سطر سے صفحۂ ۷۸ کے آخر صفحہ سے تیسری سطر تک ہے۔ اس کے بعد قطعات ہیں جو صفحۂ ۸٤ کی دوسری سطر پر ختم ہوگئے ہیں۔ اُن کے بعد صفحۂ ۸٦ کی پہلی سطر تک رباعیاں ہیں۔ رباعیوں کے بعد نواب ضیاءالدین احمد خاں بہادر کی فارسی تقریظ ہے۔ اس میں تاریخِ تقریظ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵٤ع) اور تعدادِ اشعار «یك ہزار و شش صد و نود و پنج و اندہ» درج کی گئی ہے۔ چونکہ اصل میں الفاظ «نود و اندہ» تھے جن پر کاتبِ نسخہ نے لفظِ «پنج» اپنی طرف سے بڑھا دیا تھا، اس بنا پر غلط نامے میں لفظِ «پنج» کو حذف کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب خانۂ رام پور کے نسخے میں کسی نے اُسے کاٹ بھی دیا ہے۔ تاہم یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خود نسخے کے اندر اشعار کی تعداد ۱٦۹۵ کی جگہ ۱۷۹٦ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ جوں کی توں نسخۂ رام پور جدید (قد) سے نقل کر کے شامل کردی گئی ہے۔ غلط نامے کے آخر میں «المذنب محمد مقصود» چھپا ہے، جو بظاہر کاتب کا نام ہے۔

صفحۂ ۸۸ کے تقریباً وسط میں تقریظ کے بعد نیر اور عزیز کے قطعاتِ تاریخِ طباعت ہیں جن سے سنہ ۱۲۷۸ھ مستخرج ہوتا ہے۔ ان کے بعد «عبارتِ خاتمۂ دیوان» کے تحت میرزا صاحب کی یہ تحریر ہے، جس کی توثیق کے لیے اُنھوں نے اپنی خطابی مہر بھی لگائی ہے:

«داد کا طالب غالب گزارش کرتا ہے کہ یہ دیوانِ اُردو تیسری بار چھاپا گیا ہے۔ خاصِ وداد آئین میر قمرالدین کی کارفرمائی اور خان صاحبِ الطاف نشان محمد حسین خان کی دانائی مقتضی اس کی ہوئی کہ دس جزو کا رسالہ ساڑھے پانچ جزو میں منطبع ہوا۔ اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں، لیکن ہر کاپی میری نظر سے گزرتی رہی ہے اور اغلاط کی تصحیح ہوئی

۱ - رضا لائبریری کے نسخے میں کسی شخص نے پہلی اور آخری سطر پہ سیاہی لگادی ہے۔

146
579
Scanned with CamScanner

8:56
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

رهی هے۔ یقین هے که کسی جگه حرفِ غلط نه رها هو۔ مگر هاں ایك لفظ میری منطق کے خلاف. نه ایك جگه بلکه سو جگه چھاپا گیا هے۔ کہاں تك بدلتا؟ ناچار جابجا یونہی چھوڑ دیا. یعنی «کسو» بکافِ مکسور و سینِ مضموم و واوِ معروف۔ میں یه نہیں کہتا که یه لفظ صحیح نہیں۔ البته فصیح نہیں۔ قافیے کی رعایت سے اگر لکھا جائے، تو عیب نہیں، ورنه فصیح بلکه افصح «کسی» هے. واو کی جگه یاے تحتانی۔ میرے دیوان میں ایك جگه قافیه «کسو» به واو هے. اور سب جگه «کسی» به یاے تحتانی هے۔ اس کا اظهار ضرور تها۔ کوئی یه نه کہے که یه کیا آشفته بیانی هے؟ الله بس، ماسوٰی هوس»۔

اس کے بعد لکھا هے: «مطبعِ احمدی میں واقعِ دلهای اموجان کے اهتمام سے بیسویں محرم الحرام سنه ۱۲۷۸ھ کو مطبوع هوا»۔ اور اس کے بعد سید قمرالدین کی طرف سے بے اجازت چھاپنے کی ممانعت درج هے۔

اس ایڈیشن میں میرزا صاحب نے اپنے کلام میں کچھ ضروری ترمیم بھی کی تھی۔ اور چونکه وہ ترمیم طباعت کے بعد ذهن میں آئی تھی، اس لیے اُسے غلط نامے میں ظاهر کرنا پڑا هے۔ مثلاً میرزا صاحب کا مصرع اس طرح تها: «دود کی طرح رها سایه گریزاں مجھ سے»، اس کو بنایا هے: «صورتِ دود رها سایه گریزاں مجھ سے»۔ بالکل یہی الفاظ ایك رباعی میں بھی باندھے گئے تھے۔ فرماتے هیں:

یعنی، هر بار کاغـذِ باد کی طرح ملتے هیں یه بدمعاش لڑنے کے لیے

لیکن یه مقام میرزا صاحب کی نظر سے رہ گیا، اس لیے یہاں اصلاح نه هوسکی[1]۔

لفظِ «کسو» کے متعلق میرزا صاحب کا ارشاد بھی ترمیم هی کے اندر داخل سمجھنا چاهیے۔ یعنی، پہلے میرزا صاحب نے «کسو» هی لکھا تها۔ مگر بعد میں جدید محاورے کے ماتحت «کسی» بنایا هے۔ چنانچه نسخۂ رام پور جدید میں بھی جہاں کہیں «کسو» تها، وهاں مقابلے کے وقت خود میرزا صاحب نے اصلاح کردی هے۔

اس ایڈیشن کا چھاپا تمام هوجانے کے فوراً بعد میرزا صاحب نے مجروح کو لکھا تها[2]:

۱۔ اس اصلاح کے سلسلے میں میرزا صاحب کے ایك خط کا اقتباس ملاحظه هو: «طرح بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فریب هے، اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے هیں، اور بمعنی آسایش دنیا بھی مجاز هے۔ مرادف طرز و روش بھی طرح هے بفتحتین۔ اس کا تفرقه منظور رها کرے». (عود هندی: ۳۰، بنام سرور)

۲۔ اردوے معلی: ۱۸۶۔

147
579
Scanned with CamScanner

8:56
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

«کلیاتِ اُردو کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب کہ اسی ہفتے میں، غایت اسی مہینے میں، ایک نسخہ بسبیلِ ڈاک تم کو پہنچ جائے گا»۔

۸ اگست ۱۸۶۱ع (۳۰ محرم ۱۲۷۸ھ) کو پھر لکھا[1]:

«دیوانِ اُردو چھپ چکا۔ ہائے! لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اُس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اُس کے پانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت! صاحبِ دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتّے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی نگار اور تھا۔ متوسط جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجکو ملا۔ غور کرتا ہوں، تو وہ الفاظِ غلط جوں کے توں ہیں۔ یعنی، کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا، وہ چھپا۔ بہر حال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لوں گا۔ اگر خدا چاہے، تو اسی ہفتے میں تین مجلد اصحابِ ثلثہ کے پاس پہنچ جائیں۔ نہ میں خوش ہوا ہوں، نہ تم خوش ہوگے۔

اور یہ جو لکھتے ہو کہ یہاں خریدار ہیں، قیمت لکھ بھیجو۔ میں دلال نہیں، سوداگر نہیں، مہتمِ مطبع نہیں۔ مطبعِ احمدی کے مالک محمد حسین خاں، مہتم مرزا اموجان، مطبع شاہدرے میں، محمد حسین خاں دلی شہر راے مان کے کوچے میں مصوروں کی حویلی کے پاس، قیمتِ کتاب ٦ آنے، محصولِ ڈاک خریدار کے ذمے»۔

آخرِ اگست ۱۸۶۱ع (مطابقِ آخرِ صفر ۱۲۷۸ھ) میں ایک نسخہ میرزا صاحب نے نواب مختارالملک بہادر نائبِ والیِ حیدرآباد (سر سالار جنگِ اول) کی خدمت میں بھیجا تھا[2]۔

ذکا کو ایک فارسی خط میں سہشنبہ ۱۱ ربیع‌الاول کو اس کی اطلاع دی ہے[2]۔

اموجان نے ۲۷ صفر ۱۲۷۹ھ (ستمبر ۱۸٦۲ع) میں نگارستانِ سخن کے نام سے ایک مجموعہ شایع کیا، جس میں ذوق، غالب اور مومن کا کلام یک جا چھاپا گیا تھا۔ اس مجموعے میں میرزا صاحب کا پورا دیوان شامل ہے۔ ص ۱۷٦ کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ مجموعہ لالہ جے نراین کی فرمایش پر مطبع العلوم سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی میں قاسم علی کے اہتمام سے چھپنا شروع ہوا تھا۔ مگر وہاں صرف ۳ جزو چھپے۔ باقی اموجان نے مطبعِ احمدی میں طبع کراکے اُسے شایع

۱ ۔ اردوے معلی:۱۵٤، خطوط:۱/۲۷۳ ۔

۲ ۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ۱۱۸ ۔

148
579
Scanned with CamScanner

8:57
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کیا۔ میری دانست میں یہ اُس نسخے کی نقل تھا جس سے اموجان نے دیوان چھاپا تھا۔ یا خود اموجان کے مطبوعہ ایڈیشن پر مبنی تھا۔

٤ - چوتھا ایڈیشن - اس کی علامت مج ہے۔

غالباً میرزا صاحب نے محمد حسین خاں مالکِ مطبعِ احمدی دھلی کے روبرو اپنے مذکورۂ بالا خیال کا اظہار کیا، اور وہ اس پر آمادہ ہوے کہ میرزا صاحب ایک مطبوعہ نسخے کی تصحیح کردیں، اور محمد حسین خاں اُسے کسی دوسرے مطبع میں طبع کرادیں۔ میرزا صاحب نے ایک نسخے کی تصحیح کر کے اُس کی پشت پر یہ رقعہ لکھ بھیجا[1]:

"جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اسی میں درج کر دیا ہے۔ گویا اب غلط نامہ بیکارِ محض ہو گیا ہے۔ خاتمے کی عبارت، کیا میرا بیان، کیا میر قمرالدین کا اظہار اب کچھ ضرور نہیں۔ کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلد گویا مسودہ ہے۔ اسی کو بھیج دیجے۔ غالب ۱۲۔"

محمد حسین خاں نے اس مسودے کو کانپور کے مطبعِ نظامی کو بھیجا۔ یہ ابتداے سال کا قصہ معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اس دیوان کا دوسرا ایڈیشن کانپور کے مطبعِ نظامی میں طبع ہوا، تو اُس کے خاتمۃ الطبع میں یہ لکھا گیا تھا[2]:

"بخدمتِ اربابِ سخن عرض کرتا ہے امیدوارِ رحمت و غفران، محمد عبدالرحمن بن حاجی محمد روشن خان، طیب اللہ ثراہ، کہ اس سے پہلے دیوانِ بلاغت نشان جناب نواب اسد اللہ خاں غالب کا دھلی میں چھپا۔ لیکن بسبب سہو و نسیان کے بعض مقام میں تغیر و تبدل ہوا، اس لیے جناب مجمعِ لطفِ بیکراں، محمد حسین خان صاحب دھلوی نے بعدِ نظرِ ثانی اور تصحیح جناب

١- میں نے کتاب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں ایک نسخہ دیکھا تھا جس کے دائیں حاشیے میں میرزا صاحب کی منقولۂ بالا تحریر تو موجود ہے مگر تصحیح گویا نہیں۔ اور جو چند اصلاحیں ہیں بھی تو وہ میرزا صاحب کے قلم کی نہیں۔ حتی کہ غلط نامے کی تمام اغلاط بھی جوں کی توں موجود ہیں جن کی تصحیح کا ذکر میرزا صاحب کی منقولۂ بالا تحریر میں کیا گیا ہے۔ کا بیش وہ تمام مقامات جن کی تصحیح نہیں ہوئی تھی میں نے اپنی یاد داشت میں نوٹ کر لیے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب خانۂ آصفیہ کے نسخے میں وہ شعر بھی نہیں پائے جاتے جو نظامی ایڈیشن میں بڑھائے گئے ہیں۔ بگمان غالب میرزا صاحب نے اغلاط کی درستی جس نسخے پر کی تھی از راہِ سہو رقعہ اس پر نہیں لکھا، بلکہ کسی اور بغیر تصحیح شدہ نسخے پر لکھ دیا۔ جب اس پر تنبہ ہوا تو وہ رقعہ تصحیح شدہ پر لکھ کر بھیجا۔

٢ - نظامی (کانپور) ایڈیشن: ١٠٤۔

149
579
Scanned with CamScanner

8:57
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مصنف کے ایک نسخہ میرے پاس بھیجا۔ میں نے بافضالِ ایزدی مطابق اُس نسخے کے شہر ذیحجہ سنہ ۱۲۷۸ھ (جون ۱۸۶۲ع) مطبعِ نظامی واقع شہر کانپور میں صحتِ تمام اور درستیِ کمال سے چھاپا۔ امید کہ جب ناظرین اس کے مطالعے سے حلاوت سخن کی پائیں، مہتمم کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ فقط۔

اس نسخے کا سائز احمدی کے برابر، مگر کتابت کا مسطر ۲۱ سطری ہے۔ خط قدرے جلی اور نسبتاً عمدہ نستعلیق اور کاغذ دو قسم کا ہے، اور پوری کتاب ۱۰۴ صفحات میں تمام ہوئی ہے۔ اشعار کی تعداد ۱۸۰۲ ہے، جن میں ۱۴۶۰ غزلوں کے، ۱۶۲ قصائد کے، ۱۱۵ قطعات کے، ۳۲ رباعیوں کے اور ۳۳ مثنوی در صفتِ انبہ کے ہیں۔ ترتیبِ مضامین بالکل احمدی کی ہے، مگر ایک تو اس میں نیر کی تقریظ شامل نہیں کی گئی، اور دوسرے حسبِ ذیل دو غزلیں اضافہ کی گئیں، جو نسخۂ رامپور جدید اور احمدی ایڈیشن کسی میں نہیں پائی جاتیں:

(۱) کیوں کر اُس بت سے رکھوں جانِ عزیز (۳ شعر)

(۲) بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے (۳ شعر)

چونکہ اس کی اصل خود میرزا صاحب کی تصحیح کردہ تھی، بنابرین مذکورۂ سابق رباعی میں بھی لفظ «طرح» کو بدلنے کی خاطر «صورتِ کاغذِ باد» بنا دیا گیا تھا، اور ہر جگہ «کسو» کی اصلاح کردی گئی تھی۔ البتہ ایک فاحش غلطی اس میں رہ گئی ہے، اور وہ یہ کہ میرزا صاحب کا ایک شعر:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

اس طرح مسخ کیا گیا۔ ع: گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری خوشامد سے

مندرجِ ذیل اغلاط نے بھی اشعار کے املا یا مطلب کو مسخ کیا ہے:

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں کے کیا (بجائے «بھرتے تلک»)

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک (بجائے «ہوتے تک»)

ہر بُنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خوناب (ہر جگہ پورے دیوان میں بجائے «خوناب»)

تنگ سجدے سے میرے سنگِ آستاں اپنا (بجائے «سنگِ سجدہ»)

150
579
Scanned with CamScanner

8:57
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بھر کے بھیجیں ہیں سر بمہر گلاس (بجائے «بھیجے»)
میرے ایہام پہ ہوتی ہے تصدّق توضیح (بجائے «ابہام»)
قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت (بجائے «ستائش»)
پہلوِ اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا (بجائے «پہلوے اندیشہ»)
افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے (بجائے «دندان»)
کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناسپاس ہیں (بجائے «حق ناشناس»)
پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخونِ دل (بجائے «بھر رہا ہوں»)

یہ اور ان کے علاوہ بھی متعدد اغلاط اس بات کا ثبوت ہیں کہ پروف اور کاپی کی تصحیح غور سے نہیں کی گئی۔ ہاں، ایک بات اس میں یہ ضرور مفید نظر آتی ہے کہ غزلوں پر مسلسل شمار کے ہندسے ڈالے ہیں۔ لیکن اس شمار میں «کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز» پر نمبر شمار چھوٹ گیا ہے۔ اس ایڈیشن کے سرورق کی عبارت یہ ہے جسے پھول پتیوں سے مزین کیا گیا ہے:

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

دیوانِ غالب

در مطبعِ نظامی ۱۲۷۸ھ واقعِ کانپور مطبوع گردید

آخری صفحے پر خاتمۃ الطبع کے بعد طالب حسین طالب کا لکھا ہوا قطعۂ تاریخِ طباعت ہے۔ اس کے چوتھے مصرع کے الفاظ «مرغوب ہے یہ» سے سال ۱۲۷۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس کے بعد مطبعِ نظامی کے چھپے ہونے کی سند کے طور پر محمد عبدالرحمٰن کے دستخط اور مہر ثبت ہیں۔

خدا جانے میرزا صاحب کو یہ ایڈیشن پسند آیا یا نہیں۔ سید بدرالدین کو ستمبر ۱۸۶۳ع میں صرف یہ لکھا ہے[1]: «رہا دیوان۔ اگر ریختہ کا منتخب کہتے ہو، تو وہ اس عرصے میں دلی اور کانپور دو جگہ چھاپا گیا، اور تیسری جگہ آگرے میں چھپ رہا ہے»۔

اس سے پسندیدگی و ناپسندی کا مطلق اظہار نہیں ہوتا۔

۱۔ خطوط: ۱/۱۱۱۔

151
579
Scanned with CamScanner

8:57
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

- پانچواں ایڈیشن - اس کی علامت مد ع -

چونکہ میرزا صاحب نے نسخۂ رامپور جدید کی نقل میرٹھ سے واپس منگا کر منشی شیونراین کو بھیج دی تھی، اور اُن کی تاخیر سے یہ سمجھ کر دلی اور کانپور میں دیوان چھپوا لیا تھا کہ وہ طباعت کا خیال ترک کرچکے ہیں، اس لیے جب آخرِ ۱۸۶۱ع یا آغازِ ۱۸۶۲ع میں میرزا صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ آگرے میں بھی دیوان چھپ رہا ہے، تو وہ اس پر متاسف ہوئے اور شیونراین کی خفگی کا ازالہ کرنے کے لیے میر نیاز علی صاحب کی معرفت معذرت کی۔ اُنھوں نے اچھی وکالت نہ کی، اور شیونراین نے دیوان واپس کرنے کے خیال کو میرزا صاحب پر ظاہر کیا۔ اس کے جواب میں ۱۰ جنوری ۱۸۶۲ع کو میرزا صاحب نے اُنھیں لکھا[1]:

«میاں، میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی۔ میرا مدعا یہ تھا کہ وہ تم پر اس امر کو ظاہر کریں کہ دلی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے اُس سے شروع ہوا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب تمھارا بھیجا ہوا فرمہ مجکو دیں۔ اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی، یہ سمجھ کر دی تھی کہ اب تمھارا ارادہ اُس کے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو، میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا اور میں نے نظر تمھاری ناخوشی پر بجبر اُس سے پھیر لیا۔ یہ کیوں کر ہوسکتا تھا کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں؟ تم نے جو خط لکھنا موقوف کیا، میں سمجھا، کہ تم خفا ہو۔ میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا کہ برخوردار شیونراین سے میری تقصیر معاف کروا دینا۔

بھائی، خدا کی قسم! میں تم کو اپنا فرزندِ دلبند سمجھتا ہوں۔ اُس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے؟ رام پور سے وہ دیوان صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا۔ دلی میں تصویر بہزار جستجو بہم پہنچا کر مول لی»۔

اس خط کے لفظِ «فرمہ» سے یہ مترشح ہے کہ آگرے میں طباعتِ دیوان کا کام ۱۸۶۱ع ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ لیکن ستمبر ۱۸۶۳ع میں میرزا صاحب نے سید بدرالدین صاحب کو جو خط لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے میں کتاب زیرِ طباعت تھی۔ نیز یہ

۱ - اردوے معلی : ۳۸۵ خطوط : ۱/۴۰۵ -

152
579
Scanned with CamScanner

8:57
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

دیوان جب آگرے سے چھپ کر شایع ہوا، تو اُس کے سرورق پر نقش و نگار کے درمیان مندرجِ ذیل عبارت چھپی:

العلم قوۃ

دیوانِ غالب ۱۸۶۳ء

مطبعِ مفید خلایق آگرہ میں اہتمام سے منشی شیونارائن کے چھپا

کتاب کے نام پر اندراجِ سنہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ آغازِ ۱۸۶۳ء میں چھپنا شروع ہوا، اور یہ کہ میرزا صاحب کے خط میں «فرمہ» سے کاپی مراد ہے، ورنہ جو فرمہ جنوری ۱۸۶۲ء سے قبل چھپ جائے، اُس پر ۱۸۶۳ء کسی طرح نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

بہر حال یہ نسخہ ستمبر ۱۸۶۳ء کے بعد چھپ کر شایع ہوا۔ اس کے مضامین کی ترتیب نسخۂ رام پور جدید (قد) کے مطابق یہ رکھی گئی:

«دیباچۂ فارسی (سیاہ لوح کے نیچے)، قطعات (سیاہ لوح کے نیچے)، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات، تقریظِ نیر بزبانِ فارسی»۔

اس کا سائز مذکورۂ بالا نسخوں سے قدرے بڑا، اور مسطر ۱۵ سطری ہے۔ کاغذ دیسی مشین کا بنا ہوا، اور خط قدرے جلی نستعلیق ہے۔

نیر کی تقریظ میں ۱۲۷۱ھ اور تعدادِ اشعار «یك هزار و هفصد و نود و اند» ہے، مگر نسخے میں اشعار کی واقعی تعداد ۱۷۹۵ ہے، جو نسخۂ قد کے بالکل مطابق ہے۔ اس تعداد میں بمقابلۂ نسخۂ احمدی ایك عدد کی کمی اس وجہ سے ہوگئی ہے کہ نسخۂ قد میں یہ شعر نہیں ہے:

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

اور اسی لیے نسخۂ آگرہ سے بھی ساقط ہوگیا ہے۔

باقی لفظ «هفصد» خود نیر کی ترمیم نہیں معلوم ہوتی، بلکہ غالباً منشی شیو نراین نے اشعار شمار کر کے یہ تغیر کیا ہے، ورنہ نسخۂ احمدی کی تقریظ میں بھی یہ تغیر موجود ہوتا۔

اس نسخے کی یہ خصوصیت قابلِ بیان ہے کہ پوری کتاب میں کچھ مقامات کے سوا یاے معروف و مجہول اور ہاے سادہ و مخلوط میں فرق کیا گیا ہے۔ شاید اس سے پہلے کسی مطبوعہ کتاب میں یہ

153
579
Scanned with CamScanner

8:57
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

التزام نہیں ہوا۔

۶- نسخۂ حمیدیہ:اول۔ اس کی علامت ح ہے۔

یہ نسخہ دوسرے مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں اس وجہ سے اہم ہے کہ اس کے ذریعے سے غالب پسندوں کو اُن کے اُس اُردو کلام کا پہلی بار مطالعہ نصیب ہوا جس کے متعلق دیباچۂ دیوان میں کہا تھا کہ:

"امید کہ سخن سرایانِ سخورستای پراگندہ ابیاتی را کہ خارج ازین اوراق یابند، از آثارِ تراوشِ رگِ کلکِ این نامہ سیاہ نشناسند، و جامہ گرد آور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند"۔

اس نسخے کو مفتی انوار الحق ابنِ مفتی عبداللہ ٹونکی مرحوم نے مرتب کیا تھا، اور یہ ۱۹۲۱ع میں ریاستِ بھوپال کی طرف سے چھپ کر شایع ہوا تھا۔ اس کا سرورق حسبِ ذیل عبارت پر مشتمل ہے:

باسمہ تعالٰی

دیوانِ غالب جدید

المعروف بہ

نسخۂ حمیدیّہ

بہ تدوینِ

احقرالعباد ضیاء العلوم مفتی محمد انوار الحق. ایم۔ اے، منشی فاضل

ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم

بھوپال

مفیدِ عام اسٹیم ۱۹۲۱ پریس آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے اہتمام سے چھپا

قیمت مجلد ۳ رُپے ٤ آنے (منظر امروھوی کتابت نمود) قیمت غیر مجلد ۲ رُپے ۸ آنے۔

کتاب میں دو سرورق ہیں، پہلا موٹے کاغذ کا ھلکا اُودا اور دوسرا دبیز کاغذ کا سفید۔ کتاب کی قیمت ھندسوں کی جگہ رقوں میں لکھی گئی ہے۔

154
579
Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

صفحۂ ۱ پر سرنامہ ہے، جس کے آخر میں «محمد حمیداللہ خاں بھوپال» درج ہے۔ صفحۂ ۳ سے ۲۴ تک مفتی صاحب کی تمہید ہے، جس میں نسخۂ بھوپال (ق) کی کیفیت اور اپنے اصولِ ترتیب وغیرہ درج کیے ہیں۔ اس کے بعد آرٹ پیپر پر ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کی تصویر ہے۔ صفحۂ ۲۵ سے صفحۂ ۳۱ تک «عبدالرحمن بجنوری مرحوم» کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف ہے، جو مفتی صاحب ہی نے لکھا ہے۔ اس میں سوانح بیحد کم ہیں، مگر اُن کی ادبی شخصیت پر خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد آرٹ پیپر پر میرزا صاحب کی تصویر کا عکس ہے۔ یہ تصویر ظاہر نئی معلوم ہوتی ہے، لیکن میری دانست میں اُس تصویر کا مرمّہ ہے جو کلیاتِ فارسی کے پہلے نولکشوری ایڈیشن مطبوعۂ ۱۸۶۳ع میں چھپی تھی، اور اُس کا عکس لے کر میں نے مکاتیبِ غالب کی اشاعتِ اول (۱۹۳۷ع) میں شامل کیا تھا۔ اس پر خفی قلم سے «مرزا غالب» بھی مرقوم ہے۔ صفحۂ ۳۳ سے بجنوری مرحوم کا دیباچہ شروع ہوکر صفحۂ ۱۳۹ پر ختم ہوا ہے۔ یہ دیباچہ انجمنِ ترقیِ اُردو نے جداگانہ کتابی شکل میں بھی «محاسنِ کلامِ غالب» کے نام سے متعدد بار چھاپا ہے۔ اس کے بعد آرٹ پیپر پر مخطوطے کے ایک صفحے کا فوٹو ہے[1]۔ پھر اصل دیوان نئے صفحۂ ۱ سے شروع ہوکر صفحۂ ۳۴۲ پر ختم ہوا ہے۔ دیوان میں جگہ جگہ، مختلف ردیفوں کے آخر میں چھوٹ جانے والی سادہ جگہ کو ایس۔ اے۔ ایچ۔ جری نام کے کسی آرٹسٹ سے پھول پودے بنوا کر پُر کیا گیا ہے۔

ایک اور نسخے کے پیشِ نظر میرا خیال ہے کہ اولاً دیباچۂ بجنوری کتاب میں نہ تھا۔ بعد میں اسے شریک کیا گیا، تو اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی شمولیت کا اظہار بھی ضروری جانا، اور اس مقصد کے لیے دوبارہ ٹائٹل چھپوا کر مرتبِ کتاب کے نام سے پہلے مندرجِ ذیل اضافہ کیا:

مع مقدمۂ دیوان

فخرِ قوم جناب ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب بجنوری مرحوم، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
بیرسٹر ایٹ لا۔ ڈی۔ جے

چونکہ بجنوری کے دیباچے کے اوراق بڑھ جانے سے کتاب کی لاگت میں بھی اضافہ ہو گیا

۱۔ اس سے متعلق استدراک کے صفحات ۴۶۴ تا ۴۶۶ ملاحظہ ہوں۔

155
579
Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تھا۔ اس لیے اس بار مجلد کتاب کی قیمت ۵ رُپے اور غیر مجلد کی قیمت ۴ رُپے رقوں میں لکھی گئی۔

چند معمولی لفظی ترمیموں کے علاوہ، جن سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، تے سرورق میں ایک بے احتیاطی یہ ہوئی کہ پریس لائن سے سالِ طباعت کے ہندسے حذف ہوگئے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے کتاب کے زمانۂ اشاعت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔

میرے سامنے ایک تیسرا نسخہ ایسا بھی ہے جس کا سرورق گہرے سرمئی رنگ کا ہے اور گورنمنٹ پریس بھوپال میں چھپا ہے۔ اس کے اندراجات میں بھی سابقہ نسخے کی طرح کچھ اختلاف ہے۔ مثلاً «بہ تدوین» کی جگہ «مرتبہ»، «احقرالعباد» کی جگہ «خاکسار»، اور «ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم بھوپال» کی جگہ «ڈائرکٹر تعلیماتِ ریاست بھوپال» ہے۔ نیز کاتب نے اپنا نام یوں لکھا ہے: (کتبہ نصیرالدین)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذکورۂ بالا سرورق کم پڑجانے پر اُنھیں دوبارہ بھوپال ہی میں طبع کرا لیا گیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس پر یہ صراحت کردی گئی ہے کہ «صرف ٹائٹل گورنمنٹ پریس بھوپال میں طبع ہوا»۔ سنۂ اشاعت سہوِ اتفاق سے یہاں بھی غائب ہے، اور قیمت اضافہ شدہ ہی درج کی گئی ہے۔ اس نسخے میں صرف رنگین سرورق ہے۔

مذکورہ نسخوں میں میرزا صاحب کی تصویر اور مخطوطے کے ایک صفحے کا عکس کسی متعین مقام پر چسپاں نہیں کیے گئے ہیں۔ نیز دو میں بجنوری کی تصویر ندارد ہے اور ایک میں مخطوطے کا عکس موجود نہیں۔

کتاب میں تین اقسام کا کاغذ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ خصوصیت میرے پیشِ نظر تینوں نسخوں میں مشترک ہے۔

تمہید میں مفتی صاحب لکھتے ہیں[1]:

«چونکہ ارادہ یہ ہے کہ ناظرین کے سامنے غالب کے کلام کا ایک مکمل مجموعہ پیش کیا جائے، اور ساتھ ہی قلمی اور مروجہ دیوانوں کے شعر بھی پہلو بہ پہلو دکھائے جائیں، تاکہ یہ بات آئینہ ہو جائے کہ اصلِ دیوان میں سے کون کون سے شعر حذف کردیے گئے تھے، اور پھر بعد میں غالب نے اُن میں کیا کیا رد و بدل کیا، اس لیے اس کتاب میں یہ صورت اختیار

۱ تمہید، ۱۰، ۱۱۔

Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کی گئی ہے کہ ہر ایک ردیف میں پہلے دونوں دیوانوں کی ہمطرح غزلوں کو لکھا ہے، اور اِن میں اول قلمی نسخے کی غزل بجنسہٖ نقل کردی ہے، اور اس میں جو شعر مروجہ دیوان میں موجود ہیں، اُن کے سامنے «م» لکھ دیا ہے، تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ ابتداءً یہ غزل اِس طرح کہی گئی تھی، اور اس میں فلاں فلاں اشعار (جن کے سامنے «م» لکھا ہوا ہے) مروجہ دیوان میں موجود اور دونوں دیوانوں میں مشترک ہیں۔ اس کے بعد اس طرح کے جو شعر قلمی دیوان کی کتابت یعنی سنہ ۱۲۳۷ھ کے بعد کہے گئے ہیں اور اب مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں، اُن کو لکھ دیا ہے، تاکہ پوری غزل پیشِ نظر ہوجائے۔ مشترک شعر جو قلمی نسخے کی غزل میں اُوپر درج ہوچکے ہیں، اور جن کو «م» کے اشارے سے ممتاز کردیا ہے، اُن کو اب دوبارہ مروجہ دیوان کے بقیہ شعروں کے ساتھ لکھنا غیر ضروری تھا. ناظرین آسانی سے اسے امتیاز کرسکتے ہیں۔ بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ شعر تو دونوں دیوانوں میں موجود ہیں، لیکن کسی مصرع میں کوئی خفیف سی لفظی ترمیم ہوئی ہے، وہاں اُن مصرعوں کو اوپر نیچے لکھ کر سامنے ایک قوس بناکر دوسرا مصرع لکھ دیا ہے، اور یہ التزام رکھا ہے کہ ہر جگہ جو مصرع اوپر لکھا ہے وہ قلمی نسخے کا ہے. اور جو اُس کے نیچے لکھا ہے وہ مروجہ دیوان کا۔ اس میں مصلحت یہ سمجھی ہے کہ تدریجی اصلاح کی کیفیت واضح ہوجائے۔ ہم طرح غزلوں کے بعد اُس ردیف کی قلمی نسخے کی وہ غزلیں لکھ دی گئی ہیں جو بالکل نئی ہیں، یعنی جن کا کوئی شعر بھی مروجہ دیوان میں موجود نہیں۔ اور پھر اُن کے بعد مروجہ دیوان کی وہ غزلیں درج کی ہیں جو سنہ ۱۲۳۷ھ کے بعد بڑھائی گئی ہیں اور جن کا کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں ہے۔ یوں ہر ایک ردیف کے کل شعر ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں جن میں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ ابتدا میں غالب کے دیوان کی کیا شان تھی، اور بعد میں کیا ہوگئی۔ اگر بوقتِ مطالعہ اس گذارش کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا، تو یقین ہے کہ کتاب زیادہ مفید اور دلچسپ معلوم ہو۔ اس کی کتابت میں حتی‌المقدور صحتِ املائی کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے، اور جابجا علاماتِ اضافت و وقف بھی بنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ پڑھنے اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہو جائے: خدا کرے یہ مساعی مشکور ہوں۔

157
579
Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

مفتی صاحب نے یہ کام اُس زمانے میں انجام دیا تھا جب وہ محکمۂ تعلیمات کے افسر بھی تھے، اس لیے تصحیح کا حق ادا نہ کرسکے اور اس میں ہر طرح کی غلطیاں راہ پا گئیں۔ میں نے اُن کا ذکر حواشی میں کر دیا ہے۔ یہاں مثالاً دو چار بیان کیے دیتا ہوں:

۱۔ نسخۂ بھوپال کے بہت سے اشعار چھوڑ دیے ہیں، مثلاً

عالم، طلسمِ شہرِ خموشاں ہے سر بسر
یا میں غریبِ کشورِ گفت و شنود تھا

۲۔ متداول دیوان میں شعر موجود ہے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، مثلاً

نہی نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

۳۔ نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں شعر موجود ہے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، مثلاً

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

۴۔ نسخۂ بھوپال کا لفظ چھوڑ کر صرف متداول لفظ نقل کیا، مثلاً

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستمزدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

چونکہ نسخۂ بھوپال میں «جنوں زدہ» ہے، اس لیے متن میں اسے بھی لکھنا چاہیے تھا۔

۵۔ نسخۂ بھوپال میں شعر نہیں ہے اور پھر بھی اُسے نسخۂ بھوپال کا ظاہر کیا ہے، مثلاً

نہ بندھے تشنگیِ شوق کے مضموں، غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

۶۔ محلِ اصلاح غلط بتایا ہے، مثلاً

شب نظارہ پرور تھا خواب میں خرام اُس کا
صبح، موجۂ گل کو نقشِ بوریا پایا

Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اس شعر کے لفظ «نقش» پر مصحح کا حاشیہ ہے: «متن میں «وقف» لکھا ہوا ہے، مگر اسے کاٹ کر حاشیے پر «نقش» بنایا ہے»، حالانکہ یہ ترمیم بین السطور میں ہے۔

۷۔ نسخۂ بھوپال کی صحیح قرأت کو غلط چھاپ دیا ہے، مثلاً

جنوں گرم انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا
سویدا تا بلب زنجیر سے دودِ سپند آیا

اصل میں «زنجیری» ہے۔

۸۔ متداول قرأت کچھ ہے اور چھاپ کچھ دی گئی ہے، مثلاً

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، خونِ جگر ہدیہ
مبارکباد، اسدؔ، غمخوارِ جانِ دردمند آیا

اس کے پہلے مصرع میں «داغِ جگر» ہونا چاہیے تھا۔

۹۔ کاپی نویس کی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہوسکی ہے، مثلاً

تو یک جہاں قماشِ ہوس جمع کر کہ میں
حیرت متاعِ عالمِ نقصان و سود تھا

اس کے دوسرے مصرع میں «مطاع» چھپ گیا ہے۔

غرض کتاب میں اتنی غلطیاں ہیں کہ اسے اشاعتِ ثانی کے واسطے بے حد احتیاط سے مرتب کیا جانا چاہیے۔

ے۔ لطیف ایڈیشن۔ اس کی علامت لط ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف حیدرآبادی نے دیوانِ غالب کے تاریخی مطالعے کی طرف توجہ کی، تو اپنے مقرر کیے ہوئے اصول کے مطابق ایک نسخۂ دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ یہ نسخہ ۱۹۲۸ء کے قریب مرتب ہوکر اس کے کچھ ہی بعد حیدرآباد میں چھپنا شروع ہوا، مگر کسی وجہ سے ناتمام رہ گیا[1]۔ اس کا ایک حصہ ۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو سید تمکین کاظمی مرحوم کے قبضے میں آیا، اور اُنھوں نے از راہِ کرم حیدرآباد سے میرے پاس بھیج دیا۔ یہی نسخہ دورانِ کار میں میرے سامنے رہا ہے۔

۱۔ غالب (عبداللطیف): ۳۱ حاشیہ

Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

یہ دیوان ۱۸×۲۲/۸ پر چھپا ہے، اور جو حصہ میرے پاس محفوظ ہے، وہ صفحۂ ۷۱ سے صفحۂ ۱۲۶ تک ہے۔ اس کے سرورق پر لکھا ہے:

کتابِ دوم

حصۂ اول

سنہ ۱۲۲۵ھ تا سنہ ۱۲۳۷ھ

جس میں

اس دور کی وہ تمام غزلیں اور اشعار شامل ہیں

جن کو غالب نے موجودہ دیوان کے لیے منتخب کیا

فٹ نوٹ میں وہ اشعار دیے گئے ہیں جو انتخاب کے

وقت خارج کردیے گئے تھے

صفحۂ ۷۲ سے ردیفِ الف کے عنوان کے تحت دیوان کی مشہور غزل: «نقش فریادی ہے» شروع ہوتی ہے۔ اس کا نمبر ۱۴۷ ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ کتابِ اول میں جو ۷۰ صفحات پر مشتمل تھی، ۱۴۶ غزلیں مندرج تھیں۔ بظاہر یہ غزلیں وہ ہوں گی جو متداول دیوان سے یکسر خارج کردی گئی تھیں اور نسخۂ عرشی میں «گنجینۂ معنی» کے اندر داخل ہیں۔ آخری صفحے پر ردیفِ ھا کی غزل: «خزاں نیوچھ» ہے اور اس کا نمبر ۲۱۶ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حصے میں ۷۰ غزلیں شامل ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ غزل نمبر ۵۶ کے مطلعِ ثانی سے دوسری غزل شمار کرلی ہے، جس کے باعث شمار میں ایک کا اضافہ ہوگیا ہے اور یہ غلطی آخری صفحے تک جاری رہی ہے۔ ورنہ اس حصے کے موجودہ اوراق میں صرف ۶۹ غزلیں ہیں۔

اس نسخے کی تصحیح میں بقدرِ بایست سعی نہیں کی گئی۔ پھر بھی نسخۂ بھوپال کی عدم موجودگی میں اس نے بہت کام دیا۔ اگر یہ نسخہ تمام و کمال چھپ گیا ہوتا، تو نسخۂ بھوپال کی کمی بڑی حد تک پوری ہوجاتی، اور نسخۂ حمیدیہ کی صحت میں بھی بہت کچھ مدد ملتی۔

۸۔ نسخۂ حمیدیہ:دوم۔ اس کی علامت حم ہے۔

نسخۂ بھوپال کے کلام کو پروفیسر حمید احمد خاں صاحب سے مرتب کرا کے مجلسِ ترقیِ ادب

160
579
Scanned with CamScanner

8:58
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

لاهور نے جولائی ۱۹۶۹ء میں شایع کیا ہے۔ مرتب نے اس دیدہ زیب ایڈیشن کا ایک نسخہ اسی سال ستمبر میں مجھے عنایت کیا جو میرے سامنے ہے۔ یہ ۲۲/۸ × ۱۸ سائز پر ٹائپ میں چھپا ہے۔ ٹائٹل کے بعد ۲۹ صفحات میں فہرست اور دیباچہ ہے۔ پھر ایک ورق پر دیوان کا عنوان وغیرہ ہے۔ اس کے بعد جدید نمبر شمار کے ساتھ صفحۂ ۱ سے صفحۂ ۲۹۰ تک نسخۂ بھوپال کا کلام درج کیا گیا ہے۔ جس کے آخر میں ۱۵ صفحوں کا غلط نامہ شامل ہے۔

دیباچے میں مرتب نے لکھا ہے:

"مفتی انوارالحق کا نسخہ شایع ہوا، تو یہ حقیقت مخفی نہ رہی کہ مطبوعہ نسخہ، قلمی نسخے کی صحیح نقل نہیں ہے۔ اس بارے میں شاید سب سے بڑی قباحت یہ ہوئی کہ مفتی صاحب کے نسخے میں کئی جگہ حاشیے کے اندراجات اور متن کے درمیان ضروری امتیاز قائم نہ رہ سکا۔ چنانچہ صحیح صورتِ حال کی دریافت کے لیے قلمی نسخے کا معائنہ ضروری ہو گیا۔ اواخرِ اگست ۱۹۳۸ء میں حیدرآباد دکن کے ایک سفر سے واپس لاهور آتے ہوئے میں بھوپال ٹھہر گیا، اور سرکاری کتب خانے میں بیٹھ کر مطبوعہ نسخے اور قلمی نسخے کے اندراجات کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس موقع پر مجھے اندازہ ہوا کہ حواشی اور متن کا فرق ملحوظ نہ رہنے سے قطعِ نظر، مطبوعہ نسخے میں ایک بڑا فتور یہ پیدا ہو گیا ہے کہ قلمی نسخے میں غزلیات کی ترتیب مطبوعہ نسخے تک پہنچتے پہنچتے کچھ کی کچھ ہوگئی ہے۔ مثلاً مخطوطے کی پچیسویں غزل: بسکہ جوشِ گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا، مطبوعہ نسخے کے صفحۂ ۳۳ پر شروع ہوتی ہے اور اس سے اگلی، یعنی چھبیسویں غزل: نہ ہو حُسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا، مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۱۲ پر۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر میرے لیے لازم ہوا کہ میں اپنی پوری توجہ دو باتوں پر مرکوز رکھوں: اول یہ کہ قلمی نسخے کے مندرجات کی صحیح ترتیب معین کروں، اور دوم یہ کہ حاشیے اور متن کے اندراج کے معاملے میں قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے درمیان جہاں جہاں اختلاف ہے، اُس کے متعلق مفصل یادداشتیں لے لوں۔ افسوس ہے کہ وقت کی کوتاہی کے باعث میرے لیے ممکن نہ ہوا کہ مخطوطے کے ہر ہر شعر اور مصرع کو لفظ بلفظ دیکھ لیتا۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ ترتیبِ منظومات کی تصحیح اور حواشی کی تشخیص کرتے ہوئے مطبوعہ نسخے کے کاتب کی لفظی فروگزاشتوں پر جا بجا نظر

161
579
Scanned with CamScanner

8:59
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

پڑی۔ ان کا ذکر قارئین کو حسبِ موقع دیوان کے متعلقہ صفحات پر حاشیے کے اشارات میں ملے گا۔

۱۹۲۱ع کا نسخۂ حمیدیہ، بھوپال کے قلمی دیوان کی پہلی مطبوعہ نقل ہے۔ افسوس ہے کہ قلمی دیوان سے انحراف کی جتنی مختلف قسمیں تصور میں آسکتی ہیں وہ مفتی صاحب کے مطبوعہ نسخے میں موجود ہیں، بجز اس صورت کے کہ قلمی دیوان کا شاید کوئی شعر مطبوعہ نسخے سے حذف نہیں ہوا۔ تاہم قلمی دیوان کے نہ ہوتے ہوئے مفتی صاحب کے نسخے پر تکیہ ناگزیر ہے۔

اس نسخے کی تیاری کے کام میں مجھے اپنی ۱۹۳۸ع کی یاد داشتوں کے نا کافی ہونے کا بار بار احساس ہوا۔ بعض موقعوں پر مجھے مولانا عرشی کے مرتبہ دیوان (علی گڑھ ۱۹۵۸ع) اور پروفیسر محمود شیرانی کے دریافت کردہ قلمی دیوان سے گراں قدر مدد ملی....»۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل مرتب نے نسخۂ بھوپال کے کلام کی اندرونی ترتیب کو بڑی حد تک صحیح شکل میں پیش کر دیا ہے، جس سے قصائد، غزلیات اور رباعیات کی اصل ترتیب بھی سامنے آتی ہے اور متن و حواشی کی تفریق بھی پہلے کے مقابلے میں بہتر طریقے پر واضح ہوجاتی ہے۔ پھر بھی متعدد مقامات ایسے رہ گئے جن کی تصحیح مرتب کے پیشِ نظر دو ماخذوں: نسخۂ شیرانی اور نسخۂ عرشی کی مدد سے کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اس نسخے میں ایسی جگہوں پر بھی مفتی انوارالحق مرحوم کے نسخے کا اتباع کیا گیا ہے جہاں بالیقین محولہ نسخے کے مرتب یا کاتب سے سہو ہوا ہے۔ مثلاً

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے، زہے! موسمِ گل
ہے تصور میں زِ بس جلوہ نما موجِ شراب

دراں حالے کہ اس شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے: رہبرِ قطرہ بدریا ہے، خوشا! موجِ شراب۔ اس صورت کے بغیر شعر مہمل ہو جاتا ہے۔

ایسے کئی شعر ترک ہوگئے ہیں جو نسخۂ بھوپال میں موجود تھے۔ مثلاً

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بت خانہ ہم

Scanned with CamScanner

نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

ضعف نے باندھا ہے پیمانِ گراں خوابی، اسد ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

لکن ایک ایسا شعر داخل کر لیا ہے جو نسخۂ بھوپال میں نہیں تھا اور وہ یہ ہے:

ندے نامے کو اتنا طول، غالب، مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

علاوہ ازیں قدیم اندازِ کتابت کے باعث نسخۂ بھوپال کے اندراجات کی صحیح قراءت بھی کہیں کہیں ممکن نہ ہوئی۔ مثال کے طور پر «حررہ» کو «محررہ» «مقابلہ کردہ شد» کو «معاملہ کردہ شے» اور «عبدالعلی» کو «آغا علی» پڑھ لیا گیا ہے۔

بہر حال پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے اپنی یادداشتوں کی بنیاد پر جتنی معلومات فراہم کردی ہیں، اتنی بھی نسخۂ بھوپال کی عدمِ موجودگی میں نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں اور اس لحاظ سے موصوف کی یہ کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اس نسخے کی قابلِ ذکر معلومات کو عرشی زادہ نے استدراک میں داخل کر لیا ہے۔

۹۔ نسخۂ عرشی زادہ: ڈیلکس ایڈیشن۔ اس کی علامت عش ہے۔

نسخۂ عرشی زادہ کا عکس ستمبر ۱۹۶۹ء میں اکبر علی خاں عرشی زادہ نے تحقیق مقدمے اور حواشی کے ساتھ ادارۂ یادگارِ غالب رام پور کی جانب سے پیش کیا، تو اس کے ظاہر و باطن کو اہلِ علم نے سراہا۔ چونکہ اصل مخطوطے سے متعلق استدراک عرشی زادہ ہی کا مرتب کیا ہوا ہے، اس لیے بظاہر یہاں مطبوعہ ایڈیشن کا ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہ تھی۔ لیکن میں نے مقدمے میں کئی جگہ مقدمۂ عرشی زادہ کا حوالہ دیا ہے، بنابریں مستعملہ نسخے کی حیثیت سے اس کا شمار کر لینا بھی مناسب جانا۔ اس نسخے کے حواشی کو عرشی زادہ نے استدراک میں نقل کر دیا ہے۔ البتہ مقدمے کی تفصیلی مباحث کے لیے قارئین کا اس ایڈیشن کی طرف رجوع مفید ہوگا۔

ماخذوں کی تاریخی ترتیب

گزشتہ صفحوں میں اُن نسخوں کی تفصیلی کیفیت بیان کی جاچکی ہے، جو موجودہ نسخے کی ترتیب کے دوران میں زیرِ مطالعہ رہے تھے۔ ذیل میں اُن کا تاریخ وار اجمالی ذکر کرتا ہوں

163
579
Scanned with CamScanner

8:59
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

تاکہ مطالعہ کرنے والے حضرات بیک نظر اُن کی علامتوں اور عہد سے واقف ہوجائیں:

نمبر شمار	نام نسخہ	علامت	تقریبی تاریخ ترتیب یا طباعت
۱	نسخۂ عرشی زادہ	عز	۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶ع
۲	نسخۂ بھوپال	ق	۱۲۳۷ھ = ۱۸۲۱ع
۳	نسخۂ شیرانی	قا	۱۲۴۲ھ = ۱۸۲۶ع
۴	گلِ رعنا	گل	۱۲۴۴ھ = ۱۸۲۸ع
۵	نسخۂ رام پور قدیم	قب	۱۲۴۸ھ = ۱۸۳۳ع
۶	انتخابِ غالب	خب	۱۲۵۲ھ = ۱۸۳۶ع
۷	نسخۂ بدایوں	قبا	۱۲۵۴ھ = ۱۸۳۸ع
۸	پہلا مطبوعہ ایڈیشن	م	۱۲۵۷ھ = ۱۸۴۱ع
۹	نسخۂ دیسنہ	قبج	۱۲۶۱ھ = ۱۸۴۵ع
۱۰	نسخۂ کریم الدین (نسخۂ کراچی)	قبد	۱۲۶۱ھ = ۱۸۴۵ع
۱۱	دوسرا مطبوعہ ایڈیشن	ما	۱۲۶۳ھ = ۱۸۴۷ع
۱۲	نسخۂ لاہور	قج	۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۲ع
۱۳	نسخۂ رام پور جدید	قد	۱۲۷۱ھ = ۱۸۵۵ع
۱۴	تیسرا مطبوعہ ایڈیشن	مب	۱۲۷۸ھ = ۱۸۶۱ع
۱۵	چوتھا مطبوعہ ایڈیشن	مج	۱۲۷۸ھ = ۱۸۶۲ع
۱۶	پانچواں مطبوعہ ایڈیشن	مد	۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ع
۱۷	انتخابِ غالب	خ	۱۲۸۳ھ = ۱۸۶۶ع
۱۸	نسخۂ حمیدیہ: اوّل	ح	۱۳۳۹ھ = ۱۹۲۱ع
۱۹	لطیف ایڈیشن	لط	۱۳۵۷ھ = ۱۹۳۸ع
۲۰	نسخۂ حمیدیہ: دوم	حم	۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ع
۲۱	نسخۂ عرشی زادہ: ڈیلکس ایڈیشن	عش	۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ع

164
579
Scanned with CamScanner

8:59
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

دیگر علامات مآخذ

مذکورۂ بالا ماخذوں کے علاوہ بھی متعدد کتب و رسائل سے نسخۂ عرشی میں استمداد کی گئی ہے ان میں سے جن ماخذوں کے لیے حواشی میں علامات استعمال میں آئی ہیں وہ یہ ہیں:

کلیاتِ فارسی نسخۂ بانکی پور پٹنہ مکتوبۂ ربیع الآخر ۱۲۵٤ھ/۱۸۳۸ع (کف)۔ کلیاتِ نثر فارسی نسخۂ لوہارو (کفل)، گلشنِ بے خار طبعِ ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ع (گب)، گلدستۂ نازنیناں طبع ۱۲٦۱ھ/۱۸٤٥ع (گن، گلدستہ)۔

چند اور کتابوں کے نام کا جزوِ اول بھی اختصار کی خاطر حوالوں میں ملے گا۔ مثلاً: تذکرۂ عمدۂ منتخبہ کے لیے (عمدہ) آثارالصنادید طبع ۱۲٦۳ھ/۱۸٤۷ع کے لیے (آثار) پنج آہنگ طبعِ ۱۲۸٤ھ/۱۸٦۸ع کے لیے (پنج) اور خطوطِ غالب مرتبۂ مہیش پرشاد کے لیے (خطوط) لکھا گیا ہے۔ لیکن ان کی تفصیل بتانا ضروری نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے قارئین کے لیے انہیں سمجھنا دشوار نہیں ہوگا۔ بعض حوالوں میں کتاب کے علاوہ کسی اور نسبت سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً: نظامی بدایونی کے مرتبہ دیوان کے لیے (بدایوں) اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب «غالب» کے لیے (مہر) بطورِ علامت لکھا ہے۔

حواشی

حواشی کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں اختلافِ نسخ کو جگہ دی ہے اور اُس خط خفی رکھا ہے۔ دوسرے حصّے میں جس کا خط جلی ہے، اشعار کی وہ تمام تشریحیں جمع گئی ہیں، جو میرزا صاحب نے احباب کے استفسار پر تحریر کی تھیں۔ نیز اُن کے خطوں کے وہ حصّے بھی اسی زمرے میں شامل کرلیے گئے ہیں، جن میں اُنھوں نے اپنا کوئی شعر استشہاد لکھا تھا۔

کچھ مضامینِ شعری میرزا صاحب کو اس درجہ پسند تھے کہ اُنھیں بار بار مختلف پیرایو میں باندھا ہے۔ میں نے اُن کے ایسے تمام متحدالمضمون فارسی و اُردو اشعار بھی حواشی میں در کردیے ہیں، کیونکہ ان شعروں کے تقابلی مطالعے سے میرزا صاحب کا مدعا سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے اور اشعار کا فی مرتبہ متعین کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

8:59
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

بہت سے اشعار کے دائیں یا بائیں گ یا خ یا گخ لکھا ہوا ملے گا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اشعار گلِ رعنا یا انتخابِ غالب (۱۸۶۶ع) یا ان دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح نسخۂ عرشی کا مطالعہ کرنے والوں کو گلِ رعنا اور انتخاب کے جداگانہ نسخوں کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اور انہیں میرزا صاحب کے مختلف ادوار کے معیارِ انتخاب کا بآسانی اندازہ ہو سکے گا۔

فہرست اشعار

آخر میں ایک فہرستِ اشعار ہے جس میں دیوان کی تمام مستقل چھوٹی بڑی نظموں کا پتا اُن کے پہلے شعر کے ذریعے سے دیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب حروفِ تہجی پر رکھی گئی ہے، مگر بنائے ترتیب ردیف کا آخری حرف ہے اور اشتراک دور کرنے کی خاطر اُلٹی چال چلی گئی ہے۔ ردیفیں مفرد اور مرکب دونوں طرح کی ہوتی ہیں۔ میں نے مفرد پہلے اور مرکب پیچھے رکھی ہیں، اور مشترک ردیفوں کی صورت میں تقسیم و تمیز کی بنا قافیوں پر ہے اور اُن کے اشتراک کی حالت میں بھی اُلٹی چال چلا ہوں۔

ترتیبِ ردیف و قوافی کے وقت جھ چھ وغیرہ مخلوط التلفظ حرفوں کو مرکب تسلیم کر کے اُنہیں ردیفِ ہائے ہوز میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا «سمجھ» اور «پوچھ» جیسی ردیفوں کو ردیفِ ھا میں تلاش فرمایا جائے۔

اشاریے

فہرستِ اشعار کے بعد تین اشاریے ہیں۔ ان میں سے پہلا اشخاص، اقوام اور فرقوں کا ہے، دوسرا مقامات کو ظاہر کرتا ہے اور تیسرے میں کتب و رسائل مذکور ہوئے ہیں۔ ان تینوں میں بنائے ترتیب ہر لفظ کا پہلا حرف ہے۔ اشاریۂ اشخاص کے ذیل میں خرشید و ماہ وغیرہ جیسے ناموں کو داخل نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ اعلام نہیں ہیں، ورنہ ہر زبان میں یکساں ہوتے۔ البتہ ایسے اسمائے صفت کو اس زمرے میں جگہ دے دی ہے جو کثرتِ استعمال کے سبب سے کسی شخص یا جماعت کے نام کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، جیسے آلِ عبا، آلِ نبی وغیرہ۔

میرزا صاحب نے بعض شعروں میں شاہِ ظفر کا نام نہیں لیا ہے، بلکہ اُنہیں حضور یا

Scanned with CamScanner

8:59
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

حضورِ والا یا بادشہ جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ میں نے ایسے لفظوں کو اشارے میں شامل کر لینا اس لیے مناسب جانا ہے کہ اس ذریعے سے ممدوح کی تشخیص و تعیین میں مدد مل جاتی ہے، اور اشارے کا دیکھنے والا بیک نظر یہ پتا چلا سکتا ہے کہ دیوان میں ظفر کا ذکر کہاں کہاں ہے۔

اشخاص یا مقامات کی نسبتوں کا ذکر بھی اسی مصلحت سے کر دیا گیا ہے، مگر اُنھیں مستقل جگہ کے عوض منسوب الیہ کی ذیلی جگہ دی گئی ہے۔

املا اور رسم الخط

اس نسخے کی کتابت میں موجودہ اصول اور میرزا صاحب کی پسندیدگی دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، چنانچہ آپ یائے معروف و مجہول اور ہائے مخلوط بھی پائیں گے اور فارسی لفظوں میں «ذ» کی جگہ «ز» اور «خورشید» کے بجائے «خرشید» بھی دیکھیں گے۔ بعضے لفظوں کو اُنھوں نے دو طرح لکھا تھا، مثلاً «جانے ہے» اور «جاے ہے»۔ اِن جیسی صورتوں میں وہ شکل اختیار کی گئی ہے جو موجودہ بول چال کے بھی مطابق ہے، اور اُن کی آخری تحریر کے بھی موافق تھی۔

میرزا صاحب کے زمانے میں، بلکہ اُن کے بہت بعد تک، «اُس» اور «اُدھر» وغیرہ الفاظ کو بقاعدۂ اعراب بالحروف «اوس» اور «اودھر» لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی اس کا التزام رکھا تھا۔ میں نے واو گرا کر اُس کی جگہ پیش کا التزام کیا ہے۔ لہٰذا جس الف کو آپ مضموم نہ پائیں، اُسے یہ سمجھیں کہ میرزا صاحب نے اسے بے واو کے ہی لکھا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا اور اپنی طرف سے مضموم قرار دے لیا، تو یہ اُن کی منشا و مراد کے خلاف ہو جائے گا اور آپ شاعر کے کلام کی وہ تاویل کر بیٹھیں گے جو اُسے منظور نہ تھی، جیسا کہ اس شعر میں واقع لفظ «ادھر» کو «اُدھر» پڑھ کر اس کا ایک مطلب بیان کیا جاتا ہے:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے — عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

چوں کہ میرزا صاحب کی زندگی کے تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں اس شعر کے اندر «ادھر» بے واو ہے، کسی ایک جگہ بھی «اودھر» بواو نہیں، اس لیے اس لفظ کو «اُدھر» پڑھنے والے کا مطلب قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

167
579
Scanned with CamScanner

8:59
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

اسی طرح یہ کوشش بھی رہی ہے کہ مرکباتِ اضافی و توصیفی میں ہمزہ یا زیر ضرور استعمال کیا جائے۔ الا یہ کہ «ی» بطورِ علامت موجود ہو، کیونکہ اس صورت میں «ی» پر ہمزہ لکھنا بھی غلط ہے اور زیر لگانا بھی، ورنہ تکرارِ علامت کی غلطی سرزد ہوجائے گی۔ علامتِ اضافت نہ لگانے سے جس قسم کی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اُس کی مثال یہ شعر ہے:

دماغِ عطر پیراہن نہیں ہے غمِ آوارگیہائے صبا کیا

اس کے پہلے مصرع کے الفاظ «عطر پیراہن» کو بکسرۂ را اور بدونِ کسرہ دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ مگر میرزا صاحب نے پہلے «بوئے پیراہن» لکھا تھا، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مقصودِ شاعر مرکبِ اضافی ہے اور اُس نے «بو» کی جگہ «عطر» اس لیے رکھا ہے کہ اوّل الذکر کی تعمیم دور ہو جائے۔ لہٰذا اگر یہاں علامتِ اضافت نہ لگائی جائے گی، تو ہم مرادِ شاعر سے دور جا پڑیں گے۔

علامات وقف

یوں تو اس نسخے میں وقف کی کئی عام علامتیں استعمال کی ہیں، مگر ان میں سے «کامے» کو حدِّ افراط تک برتا گیا ہے۔ چونکہ میرزا صاحب جیسے تعقید پسند استاد کے کلام کا مطلب سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر تھا، اس لیے امید ہے کہ دیدہ ور نقاد اس سے درگزر فرمائیں گے۔

تصاویر

اس نسخے میں پانچ تصویریں شامل کی گئی ہیں، ایک میرزا صاحب کی اور چار دیوان کے مخطوطوں کے ایک ایک نسخے کی۔ میرزا صاحب کی تصویر شیخ عبدالقادر مدیرِ رسالۂ مخزن نے اپنے شایع کردہ دیوانِ غالب (پاکٹ ایڈیشن) میں چھاپی تھی۔ اس دیوان کے دیباچے میں، جو ۸ جنوری سنہ ۱۹۱۹ع کا لکھا ہوا ہے، شیخ صاحب نے تصویر کی سند میں تحریر فرمایا ہے:

«اس دیوان کو ایک چیز ایسی دستیاب ہوئی ہے، جو پہلے کسی نسخے کو میسر نہیں۔ یعنی میرزا غالب مرحوم و مغفور کی ایک صحیح اور مستند عکسی تصویر زیبِ ورقِ اول ہے۔ اس تصویر

168
579
Scanned with CamScanner

9:00
نسخۂ عرشی | ریختہ
rekhta.org
دیوان غالب

کے لیے میں اپنے ذی علم دوست، لالہ سری رام صاحب، ایم۔ اے، دھلوی، مولفِ خم خانۂ جاوید کا ممنون ہوں۔ اُن کے عمِ بزرگوار، رائے بہادر پیارے لال صاحب سرگباش انسپکٹر مدارس، مرزا غالب مرحوم کے عزیز ترین دوستوں اور مداحوں میں تھے۔ یہ عکسی تصویر، رائے صاحب ممدوح کو میرزا صاحب مرحوم نے دی تھی، اور رائے صاحب سے بطور ایک قابلِ قدر یادگار کے لالہ سری رام صاحب کے پاس پہنچی تھی۔

مخطوطوں کے صفحات کی تصویریں علی الترتیب نسخۂ عرشی زادہ، نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور نسخۂ رام پور جدید سے متعلق ہیں، اور ان میں سے تیسری کے حاشیے پر ایک غزل اور چوتھی کے بین السطور میں لفظ «رنج» خود میرزا صاحب کے قلم کا نوشتہ ہے۔

شکریہ

طبعِ اوّل میں اُن حضرات کا شکریہ نام بنام ادا کیا جا چکا ہے جنھوں نے اس نسخے کی ترتیب میں میری مدد فرمائی۔ طوالت کے خیال سے اب بغیر نام گنائے اُن سب مہربانوں کے تعاون کا ایک بار پھر شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ گزشتہ اشاعت کی طرح یہ جدید ایڈیشن بھی اربابِ علم و ادب اور صاحبانِ نقد و نظر میں قبولِ خاطر پائے گا۔

امتیاز علی عرشی

رام پور رضا لائبریری
رام پور
۲۵ مارچ ۱۹۷۱ع

169
579
Scanned with CamScanner